عرض احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باجوڑ پر امریکی حملہ

نائن الیون کے بعد اُمت مسلمہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے ہاتھوں مسلسل صدمات کا شکار ہے۔ گزشتہ دنوں باجوڑ پر ہونے والا امریکی حملہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ امریکہ کی اس انتہائی قابلِ مذمت حرکت پر ہمارے حکمرانوں کی جانب سے احتجاج کا ایک لفظ بھی نہ کہا جانا یقیناً ان کی بزدلی‘ کم ہمتی اور بے غیرتی کا مظہر ہے۔ اس واقعے پر‘ الحمد للہ‘ پاکستان کے طول وعرض میں شدید احتجاج کیا گیا۔ لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ کیا ہم احتجاجی مظاہروں کے ذریعے اور ایک شخص کو مطعون کر کے یا ایک گروہ کو موردِ الزام ٹھہرا کر پاکستان کے استحکام اور بقاء کا انتظام کر سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ہماری موجودہ ذلت ورسوائی اور کم ہمتی و بے غیرتی کی ذمہ داری چند اشخاص پر نہیں آتی‘ بلکہ پوری پاکستانی قوم اس کی ذمہ دار ہے۔ اس لیے کہ ہم نے بحیثیتِ قوم اپنے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مستحق ہی نہیں ٹھہرایا۔ ہماری سیاست جھوٹ پر مبنی ہے۔ ہم نے اقتدارِ اعلیٰ کے حقیقی تصور کو نہ سمجھا ہے اور نہ ہی اس کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ اگرچہ ہم نے اپنے اسلاف کی قربانیوں کے ذریعے غیر ملکی حکمرانوں سے جسمانی آزادی حاصل کر لی تھی لیکن ذہنی طور پر ہم ابھی تک ان ہی کے غلام ہیں اور ان سے مرعوب ہیں۔ ہم نے مزعومہ روشن خیالی کے نام پر بے حیائی اور فحاشی کو رواج دے رکھا ہے۔ ہماری معاشرت مغربی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ہمارے تحریکی افراد جو امریکہ اور اس کی عسکری و تمدنی یلغار کے خلاف علمِ بغاوت اٹھائے کھڑے ہیں‘ اگر ان کی معاشرتی زندگیوں کا تجزیہ کیا جائے تو وہ بھی اسی مغربی تہذیب کے دلدادہ نظر آتے ہیں‘ اور ان کی ترجیحات بھی ان کے اقوال و افعال سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ الّا ماشاء اللہ!

اور سب سے بڑھ کر ستم ظریفی یہ کہ ہماری پوری ملکی معیشت سود پر مبنی ہے اور از روئے الفاظِ قرآنی ہماری پوری قوم نے اللہ اور اس کے رسولﷺ کے خلاف جنگ مول لے رکھی ہے۔ (اعاذنا اللہ من ذلك)۔ ہمارا مقتدر طبقہ‘ خدا بے زار دانشور اور روشن خیال لوگ یہ کہہ

رہے ہیں کہ اس کے بغیر معیشت کو چلانا ناممکن ہے۔ چنانچہ ہمارے دانے دانے پر سود کا رنگ ہے اور ہماری ہر سانس سود سے آلودہ ہے۔ اگرچہ ہم میں انتہائی قلیل ایسے باہمت اللہ والے بھی موجود ہیں جو سود کی کسی بھی شکل کو حرام اور اللہ کے خلاف بغاوت سمجھتے ہیں اور امکانی حد تک اس سے دور رہتے ہیں‘ لیکن کیا ان تک سود کی گرد نہیں پہنچنے پاتی؟ اور کیا وہ کسی ایسی جدوجہد میں مصروف ہیں کہ جس سے اس سودی معیشت کا خاتمہ ہو سکے؟

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ اور رسول ﷺ کو اپنا رہبر و رہنما مانتے ہیں‘ قرآن مجید اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں‘ لیکن ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا ہم ایمانیاتِ ثلاثہ کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں؟ ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کو سب سے پہلے پاکستان اور بالآخر پوری دنیا میں غالب و نافذ کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں۔ ہم پاکستان میں اسلام کے سنہری نظام کو قائم کر کے دنیا والوں کو دکھائیں کہ یہ ہے وہ نظامِ عدلِ اجتماعی جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے! اس وقت دنیا ظالمانہ سودی نظام سے تنگ آ کر ایک مرتبہ پھر اس سے بغاوت پر آمادہ ہے اور کسی منصفانہ نظام کی متلاشی نظر آتی ہے۔ مگر ہم نے اس منصفانہ و عادلانہ نظام کو کتابوں میں چھپا رکھا ہے اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہدایت کے خزانے پر سانپ بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ اگر ہمارا کردار یہی رہا تو عین ممکن ہے کہ دنیا اشتراکیت کی طرح کسی اور انتہا کو چھو لے۔ قرآن مجید میں جہاں ’’اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ‘‘ کا حکم ہے وہاں ’’اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ‘‘ کا حکم بھی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو لازماً اللہ کی مدد ہمارے شاملِ حال ہو گی ۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

اور یہ اللہ کا پختہ وعدہ ہے اور یقیناً اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ہمارے صحرا نشین گدڑی پوش‘ دنیا بے زار اسلاف جب اللہ کے وفادار بنے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیے گئے سارے وعدے پورے کیے اور وقت کی دو سپر پاورز قیصر و کسریٰ ان کے سامنے ریت کے گھروندے ثابت ہوئیں۔

اگر ہم یہ تہیہ کر لیں کہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائیں گے تو ان شاء اللہ‘ اللہ کی مدد آئے گی اور سربلندی ہمارا مقدر ٹھہرے گی۔ وگرنہ ہمیں باجوڑ جیسے مزید صدمات برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ OO

حقیقت واقسامِ شرک

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

نحمدہٗ ونصلی علٰی رَسولہِ الکریم ...... امَّا بَعد:

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم ۔ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴾ (لقمٰن) ...... صدق اللّٰہ العظیم

''اور یاد کرو جب کہ لقمان نے کہا اپنے بیٹے سے' اور وہ اسے نصیحت کر رہے تھے' کہ اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجیو' یقیناً شرک بہت بڑا ظلم (اور بہت بڑی ناانصافی) ہے''۔

''حقیقت واقسامِ شرک'' کے موضوع پر مفصل گفتگو کا یہ سلسلہ اغلباً چھ نشستوں پر مشتمل ہوگا۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کے ذریعے سے اُمت مسلمہ میں حقیقتِ شرک کے بارے میں صحیح فہم وشعور پیدا فرمائے اور اس ضمن میں ہم سے کوئی مفید خدمت قبول فرمالے!

چند تمہیدی باتیں

سب سے پہلے مجھے اس موضوع سے متعلق کچھ تمہیدی باتیں گوش گزار کرنی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے دین کی حقیقت کو اگر ایک لفظ میں تعبیر کرنے کی کوشش کی جائے' یا بالفاظِ دیگر اس کی تعلیم کے لبِّ لباب اور خلاصے کو ایک لفظ میں بیان

کیا جائے تو وہ لفظ ''توحید'' ہے۔ ہمارا دین دراصل ''دینِ توحید'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے توحید کو ہی وہ اصل امانت قرار دیا ہے جو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے: ؎

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا!

اور جوابِ شکوہ میں بھی نبی اکرمﷺ کے مشن کو علامہ اقبال نے اسی ایک لفظ ''توحید'' سے تعبیر کیا ہے: ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

تو ہمارا دین اصل میں دین توحید ہے۔ ''توحید'' کی ضد ہے ''شرک''۔ شرک چاہے ثنویت کی شکل میں ہو' تثلیث کی شکل میں ہو یا کثرتِ **آلِـھَـہ** کی صورت میں ہو' اِن سب صورتوں کو ہم ایک ہی لفظ ''شرک'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جب یہ بات طے ہے کہ ہمارا دین' دین توحید ہے تو اُس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دین میں سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑا گناہ' جو ناقابل درگزر ہے' وہ شرک ہے۔ چنانچہ یہی بات سورۃ النساء میں دو مرتبہ بعینہٖ اِنہی الفاظ میں وارد ہوئی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ﴾ (آیت ۴۸ و ۱۱۶) ''یقیناً اللہ تعالیٰ یہ بات تو ہرگز معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے' البتہ اس سے کمتر گناہ جس کو چاہے گا بخش دے گا''۔ اگرچہ اس آیت کو دوسرے گناہوں کے ضمن میں کوئی کھلا لائسنس نہیں سمجھ لینا چاہیے' اللہ تعالیٰ کا کوئی پختہ وعدہ اور یقین دہانی نہیں ہے کہ وہ دوسرے گناہ لازماً بخش دے گا' بلکہ الفاظ ہیں: ''لِمَنۡ یَّشَآءُ'' کہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ لہٰذا یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہمیں کھلی چھٹی مل گئی ہے کہ ہم شرک کے سوا جس گناہ میں چاہیں ملوث ہو جائیں' کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ تاہم اُمید ضرور دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک کی معافی کی تو کوئی صورت نہیں ہے' البتہ اُس سے کمتر گناہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا۔

بہرحال معلوم ہوا کہ ہمارے دین میں سب سے بڑا گناہ' سب سے بڑا جرم' جو ناقابل درگزر رہے' وہ شرک ہے۔ اس حقیقت کو یوں سمجھئے کہ از روئے قرآن سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ بلکہ اچھی طرح جان لیجیے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ ''ظلم'' آتا ہے' اگر سیاق وسباق سے اس کے کوئی اور معنی معین نہ ہو رہے ہوں تو وہاں اس کا معنی ''شرک'' ہے اور اسی اعتبار سے ''ظالمین'' کا معنی ''مشرکین'' ہے۔ چنانچہ آیت زیر گفتگو میں یہ حقیقت بیان ہوئی: ﴿اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ﴾ واقعہ یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

عربی زبان میں ظلم کا مطلب ہے: وَضۡعُ الشَّیۡ ءِ فِیۡ غَیۡرِ مَحَلِّہٖ ''کسی چیز کو اُس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھنا۔'' عدل اور انصاف یہ ہے کہ ہر چیز کو اُس کے اصل مقام پر رکھا جائے' جبکہ ظلم یہ ہے کہ کسی شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیا جائے۔ اب شرک میں بھی اِن دو میں سے ایک صورت ہوتی ہے کہ یا تو مخلوقات میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ کے برابر بٹھا دیا جاتا ہے۔ یہ ''وَضۡعُ الشَّیۡ ءِ فِیۡ غَیۡرِ مَحَلِّہٖ'' کی ایک صورت ہے۔ اور یا پھر اللہ کو (نعوذ باللہ) گرا کر مخلوقات کی صف میں لایا جاتا ہے اور یہ ''وَضۡعُ الشَّیۡ ءِ فِیۡ غَیۡرِ مَحَلِّہٖ'' کی دوسری صورت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ''ظلم'' کا سب سے بڑا مصداق ''شرک'' ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سورۃ الانعام کی آیت ۸۲ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''ظلم'' کے بارے میں استفسار کیا تو آپؐ نے سورۂ لقمان کی زیر بحث آیت ۱۳ کا حوالہ دے کر فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ جب سورۃ الانعام کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۲﴾﴾ ''(حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ اے مشرکو!) اگر تم جانتے ہو تو ذرا بتاؤ کہ دونوں گروہوں (موحّدین اور مشرکین) میں سے کون امن وسکون اور اطمینان کا زیادہ حق دار ہے؟'' ایک گروہ مشرکین کا تھا اور ایک موحّدین کا۔ ایک طرف صرف ایک اللہ کے ماننے والے تھے اور دوسری طرف وہ تھے جو اللہ کے ساتھ دوسرے بہت سے معبودوں کو ماننے والے تھے۔

لٰہذا پوچھا گیا کہ ان میں سے حقیقی ذہنی سکون اور حقیقی قلبی اطمینان کا زیادہ مستحق کون ہے؟ یہ سوال کرنے کے بعد قرآن مجید اپنے ایک عام اسلوب کے مطابق خود جواب دیتا ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَھُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الۡاَمۡنُ وَھُمۡ مُّھۡتَدُوۡنَ ﴿۸۲﴾﴾

''جو لوگ ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو کسی ظلم سے ملوث نہ کریں، حقیقت میں امن وسکون (اور اطمینان) کے مستحق وہی ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

یعنی جو اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کا کوئی شائبہ پیدا نہ ہونے دیں۔ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تشویش پیدا ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے مشروط ہیں کہ ایمان کے ساتھ ظلم کی قطعاً آمیزش نہ ہو، تو ایسا کون شخص ہوگا جو کسی نہ کسی درجے میں دوسروں پر یا اپنے اوپر ظلم نہ کرتا ہو۔ غور کیجیے کہ اگر آپ نے ایک لمحہ بھی ضائع کیا تو یہ بھی اپنے اوپر ظلم ہے۔ تو ظلم سے بالکل بری اور بالکل پاک ہو جانا کسی فردِ بشر کے لیے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی اس تشویش کو ظاہر کیا کہ حضورؐ! ایسا شخص کون ہوگا جو ظلم سے بالکل بری ہو۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ اس آیۂ مبارکہ میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ اور آپؐ نے سورۂ لقمان کی اسی آیت کا حوالہ دیا کہ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی:

﴿وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِکۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۳﴾﴾

تو مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ ایمان لائیں اِس شان کے ساتھ کہ شرک کی کوئی آمیزش نہ رہے تو وہ ہیں کہ جو امن کے مستحق ہوں گے اور وہی ہیں کہ جو ہدایت پر ہیں اور اپنی آخری منزلِ مراد تک پہنچ سکیں گے۔

اب میں اسی کا عکس (converse) آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ جب ہمارا دین، دینِ توحید ہے تو اس تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہوا کہ سب سے بڑا اور ناقابل معافی

جرم اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ آپؑ کی جلالتِ قدر اور مقام و مرتبہ کا یہ عالم ہے کہ آپؑ کی تین تین نسبتیں ہیں اور تینوں ہی نہایت بلند ہیں۔ ایک نسبت اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ آپ ''خلیل اللہ'' ہیں۔ اس خُلّتِ الٰہی کا جو مقام و مرتبہ ہے اس کی عظمت کا کچھ اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا خلیل صرف اللہ ہے۔ یعنی کوئی فردِ نوعِ بشر حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خُلّتِ محمدیؐ کے مقام پر فائز نہیں ہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا)) (۱) ''اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا''۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ خُلّت کا رشتہ صرف اپنے ربّ کے ساتھ تھا۔ اور یہی وہ رشتہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے ربّ کے ساتھ جس کی قرآن اہتمام کے ساتھ وضاحت کر رہا ہے: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾﴾ (النساء) ''اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری نسبت رسولوں اور نبیوں کے ساتھ ہے' اور وہ یہ کہ آپؑ ''ابوالانبیاء'' ہیں۔ سینکڑوں جلیل القدر پیغمبر آپؑ کی نسل میں گزرے ہیں۔ **اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ** میں سے تین یعنی حضرات موسیٰ' عیسیٰ اور محمد رسول اللہ علیہم الصلاۃ والسلام ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ ان میں سے عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ بن باپ کے پیدا ہوئے' لیکن ان کی والدہ مریم علیہا السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہی سے ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں نبی آپؑ کی نسل میں سے ہیں۔ تو آپؑ ابوالانبیاء ہیں۔

آپؑ کی تیسری نسبت پوری نوعِ انسانی کے ساتھ یہ ہے کہ آپؑ ''امامُ الناس'' ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ﴾ (البقرۃ: ۱۲۴) ''اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ کو اُن کے ربّ نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھے سب

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب الخوخۃ والممر فی المسجد۔ وصحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابۃ' باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔

لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں‘‘۔اس جلالتِ قدر کے ساتھ قرآن مجید میں جہاں کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا ہے تو اُن کو جو آخری سند دی جاتی ہے وہ یہ ہے:
﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (البقرۃ) ’’اور آپ (ابراہیم علیہ السلام) مشرکوں میں سے نہ تھے۔‘‘

معلوم ہوا کہ شرک سے بالکل آزاد ہو جانا انسانیت کے لیے معراج ہے اور یہ بلند ترین مقام ہے جس تک انسان پہنچ سکتا ہے۔اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرما دے کہ میرا یہ بندہ مشرک نہیں ہے‘ میرا یہ بندہ شرک سے پاک ہے تو گویا کہ اُسے آخری سند مل گئی‘ آخری سرٹیفکیٹ اور آخری testimonial مل گیا۔

اب تک کی گفتگو سے یہ واضح ہو گیا کہ ایک طرف تو ہمارے دین میں سب سے بڑا جرم‘ سب سے بڑا گناہ‘ سب سے بڑا ظلم‘ جو نا قابل عفو ہے‘ وہ شرک ہے۔اور دوسری طرف سب سے بڑی سند‘ سب سے بڑا سرٹیفکیٹ اور سب سے اونچا مقام یہ ہے کہ انسان شرک سے بالکل پاک ہو۔اب ان دونوں چیزوں کو بیک وقت ذہن میں رکھتے ہوئے میں ایک نتیجہ نکال رہا ہوں۔اور وہ یہ کہ واقعتاً ہر گمراہی‘ ذلالت اور کج روی‘ خواہ وہ نظریات کی ہو‘ عقائد کی ہو یا اعمال کی‘ اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں شرک سے ملتے ہیں۔اور ہر خیر و خوبی‘ بھلائی‘ نیکی‘ صحتِ فکر‘ صحتِ عقیدہ‘ صحتِ عمل وغیرہ کے جتنے بھی شعبے ہیں وہ سب توحید کی فروع (corollaries) اور لازمی نتائج ہیں۔تو اس طرح سے یہ ایک ہمہ گیر تصور ہے۔ شرک کی اقسام اور اس کی فروع کو اگر آپ دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ یہ وہ شجرۂ خبیثہ ہے کہ ہر بدی‘ ہر گناہ‘ ہر جرم‘ اور ہر نظریہ یا خیال کی گمراہی لازماً اسی کی کسی نہ کسی شاخ کی حیثیت رکھتی ہے۔اور اس کے برعکس ہر خیر‘ ہر نیکی اور ہر بھلائی‘ خواہ وہ خیال اور نظریے کی ہو یا عمل کی ہو‘ اس کا تعلق لازماً توحید ہی کے شجرۂ طیبہ سے ہے۔اس ’’شجرِ توحید‘‘ کے لیے قرآن مجید میں تمثیل آئی ہے اور اس کے بارے میں الفاظ آئے ہیں:
﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ (ابراہیم) ’’اس کی جڑ مضبوط و مستحکم ہے

اوراس کی شاخ آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔‘‘

شرک کی ہمہ گیری کا ایک تصور قرآن مجید میں سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۶ میں یوں بیان ہوا ہے:

﴿وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ﴾

’’اورانسانوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کو مانتے ہیں‘ مگرکسی نہ کسی نوع کے شرک کے ساتھ‘‘۔

یہ بات جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کا انکارتو تاریخ انسانی میں آپ کوشاذ ہی کہیں ملے گا‘ کہیں کہیں اس قسم کے لوگ مل جاتے ہیں کہ جن کی مت بالکل ماری گئی ہو۔آج کے دَور میں بظاہر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ خدا کا انکار بہت عروج پر ہے‘ لیکن واقعہ یہ ہے کہ خدا کو وہ بھی مانتے ہیں جنہیں منکرین خدا سمجھا جاتا ہے۔ درحقیقت انہوں نے مادے کو خدا کے مقام پر لے جا کر بٹھا دیا ہے‘ خدا کا انکار نہیں کیا ہے۔ایک حقیقت کبریٰ کو ماننے پر سب مجبور ہیں‘ جبکہ سارا اختلاف خدا تعالیٰ کی صفات میں ہے۔مثلاً یہ اختلاف کہ وہ الحیّ ہے یا مُردہ ہے۔اگر مُردہ ہے تو اسے مادہ کہہ لیجیے اور الحیّ القیّوم ہے‘ صاحب ارادہ ہے تو وہ اللہ ہے۔ چنانچہ فرق تو سارا صفات کا ہے۔ بہرحال یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ خدا کو خدا کے نام سے ماننے والے تاریخ انسانی میں ہمیشہ عظیم اکثریت میں رہے ہیں اور خدا کا صاف انکار کرنے والے شاذ رہے ہیں۔خدا کو کچھ اور ناموں کے تحت ماننے والوں کی تعداد بھی شاید کچھ مل جائے‘ لیکن جو سب سے بڑی گمراہی ہمیشہ رہی ہے وہ یہ ہے کہ ایک بڑے خدا کو ماننے کے ساتھ ساتھ کچھ اور چھوٹے خداؤں کو بھی مانا اور تسلیم کیا گیا‘ ایمان کے ساتھ کسی نوع کے شرک کی آمیزش کر لی گئی‘ اور یہ ہے اصل گمراہی جو ہمیں پوری تاریخ انسانی میں پھیلی ہوئی اور چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ میں اپنے حقیقی قلبی احساسات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ مسلمان کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے‘ مجھے یقین ہے کہ وہ جان بوجھ کر کبھی شرک نہیں کرتا‘ بلکہ ایسا ناممکن ہے۔اس کے تصورات میں اگر شرک آتا ہے تو غیر محسوس طریقے سے درآتا ہے‘ کسی

مغالطے کے باعث آتا ہے' وہ اس کو شرک سمجھ کر شرک نہیں کرتا' اس میں جہالت اور ناسمجھی کارفرما ہوسکتی ہے۔اس کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ ہر دَور میں شرک کا یہ مرض ایک نئی صورت اختیار کر کے سامنے آتا ہے جس کو پہچاننے میں کوتاہی رہ جاتی ہے' اور جب تک اس کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے اس سے پوری طرح بچنا ممکن نہیں۔ بقول شاعر:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

یعنی خواہ تم کسی بھی رنگ کا لبادہ اوڑھ کر آ جاؤ میں تمہیں تمہارے قد سے پہچان لوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص بزعمِ خویش بڑا موحّد ہو اور پچھلے ادوار میں شرک کی جتنی بھی صورتیں رائج رہی ہوں اور علماء نے جن جن کی نشاندہی کر دی ہو اُن سب سے وہ اپنے آپ کو بری اور پاک کر چکا ہو' بایں ہمہ اپنے دَور کے شرک کو نہ پہچان پایا ہو اور اس میں وہ ملوث ہو۔

اس پر گفتگو تو بعد میں ہو گی لیکن میں مثال کے طور پر علامہ اقبال کی نظم ''وطنیت'' پیش کر رہا ہوں:

اِس دَور میں مے اور ہے' جام اور ہے' جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اِس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اب غور کیجیے کتنا پیارا مصرعہ ہے: ''تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور''۔ آج سے ساڑھے چار ہزار برس کا آزر پتھر کی مورتیاں تراشتا تھا اور آج کا آزر کچھ خیالی تصورات کے بُت بنائے ہوئے ہے۔ زمانے زمانے کی بات ہے۔ اُس وقت انسان

شاید زمین سے زیادہ سے زیادہ پانچ چھ فٹ چھلانگ لگا سکتا ہوگا' لیکن آج چاند تک پہنچا ہوا ہے۔ لہٰذا شرک نے بھی بڑی اونچی اڑان اڑی ہے اور بڑی مختلف صورتیں اختیار کی ہیں۔ اب ضرورت اُس عقابی نگاہ کی ہے جو اپنے دَور کے شرک کو پہچان لے۔ اگر یہ بصیرت نہیں ہوگی تو ہوسکتا ہے' جیسا کہ میں نے عرض کیا' ایک شخص اپنے خیال میں پورے خلوص کے ساتھ شرک کی ہر قسم سے اعلانِ براءت کر چکا ہو اور عملاً اپنے آپ کو اس سے بری کر چکا ہو' لیکن اس کے باوجود وہ کسی نوع کے شرک میں مبتلا اور ملوث ہو۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک بڑا جامع اور ہمہ گیر تصور ہمارے سامنے ہو۔ اور نہ صرف یہ کہ ہم اپنے ذہن اور فہم میں تمام اقسامِ شرک کا احاطہ کر لیں' بلکہ ہمارے اندر وہ اجتہادی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ شرک جو بھی نیا لبادہ اوڑھے اور جو بھی نئی شکل اختیار کرے' اسے بھی ہم پہچان سکیں۔ اس کے لیے ضرورت ہے ایک اندرونی بصیرت کی۔ اس کے لیے وہ اصول تلاش کر لیے جائیں کہ جنہیں اگر مدّنظر رکھا جائے تو شرک چاہے جس صورت اور شکل میں بھی آ رہا ہو' جو بھی نیا بھیس بدلے اور جو بھی نیا لبادہ اوڑھے اس میں انسان اس کو پہچان لے۔ لہٰذا اِس وقت جو بحث ہوگی وہ زیادہ تر اقسامِ شرک کے ذیل میں ہوگی۔

اقسامِ شرک کے سلسلے میں ہمارے ہاں علماء نے مختلف تقسیمیں کی ہیں۔ مثلاً ایک تقسیم یہ ہے کہ ایک شرکِ جلی ہے اور ایک شرکِ خفی ہے۔ یعنی ایک تو نمایاں اور کھلم کھلا شرک ہے۔ مثلاً ایک شخص بُت کو سجدہ کر رہا ہے' جبکہ ایک خفی شرک ہے کہ جس کا تجزیہ کر کے ہی پتا چلتا ہے کہ شرک ہو گیا' وہ بظاہر نظر نہیں آتا۔ اس کی مثال یہ فرمانِ نبویؐ ہے کہ ((مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ))(۱) ''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اُس نے شرک کیا۔'' ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے' لیکن جب وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ اپنی نماز لمبی کر دیتا ہے' سجدہ طویل کر دیتا ہے' تو حضورﷺ نے فرمایا کہ یہ شرک ہے۔ بظاہر تو وہ وہی نماز پڑھ رہا ہے' اس میں وہی قیام ہے' وہی رکوع ہے' وہی سجود ہے'

---

(۱) مسند احمد' کتاب الشامیین۔

اُس نے وہی سورۃ الفاتحہ پڑھی ہے' وہی ''**سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى**'' اور وہی ''**سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ**'' کہا ہے۔ اپنی طرف سے اُس نے کوئی اضافہ نہیں کیا ہے' سوائے اس کے کہ ذرا نماز کا دورانیہ بڑھ گیا ہے' اگر پہلے دس سیکنڈ کا سجدہ ہو رہا تھا تو اب پندرہ سیکنڈ کا ہو گیا' لیکن تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک سجدے کے دو مسجود ہو گئے۔ دس سیکنڈ کا سجدہ تو اللہ کے لیے تھا' لیکن بقیہ پانچ سیکنڈ کا سجدہ اُس شخص کے لیے ہے جسے وہ دکھا رہا ہے' اور یہی شرک ہے۔ تو ایک ہے شرکِ جلی اور ایک ہے شرکِ خفی۔

ایک اور تقسیم اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ ایک ہے عقیدے کا شرک اور ایک ہے عمل کا شرک۔ ایک شخص مختلف معبودوں کو مانتا ہے نام لے کر' جبکہ ایک شخص وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی معبود کو نام لے کر تو نہیں مان رہا' لیکن اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عمل میں شرک ہے۔ مثلاً نفس پرستی ایک قسم کا شرک ہے۔ ایک طرف حکم ہے اللہ کا اور ایک طرف خواہش ہے اپنے نفس کی۔ ہم کتنے ہی مواقع پر اللہ کے حکم کو پسِ پشت ڈال کر اپنے نفس کی خواہش کو مقدم کرتے ہیں! اُس وقت ہمارا اصل معبود کون ہے؟ ہمارا نفس ہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿**اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا**﴿٤٣﴾﴾ (الفرقان)

''(اے نبیؐ!) کیا آپ نے غور کیا اُس شخص کے حال پر جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا؟ تو کیا آپ ایسے شخص کی ذمہ داری لیں گے؟''

یہاں نوٹ کیجیے کہ لفظ ''اِلٰـهٗ'' استعمال ہوا ہے' تاکہ کوئی مغالطہ نہ رہے۔ اور یہی ہمارے کلمۂ طیبہ کا لفظ ہے: **لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ**۔ تو معلوم ہوا کہ عمل میں شرک ہو رہا ہے' اگرچہ عقیدے میں شرک نہیں ہے۔ اُس شخص نے کبھی بھی اپنے نفس کو معبود مانا نہیں' بلکہ آپ اس سے یہ بات کریں گے تو وہ آپ کا سر پھوڑ دے گا' لیکن درحقیقت اس کے عمل میں شرک موجود ہے۔ اسی کے ذیل میں نبیٔ اکرمﷺ کی ایک حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: ((**تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ**))(۱) ''ہلاک ہو جائے درہم

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله۔

و دینار کا بندہ''۔ یہاں لفظ ''عبد'' لایا گیا ہے۔ اسی سے ''عبادت'' بنا ہے جس کے لیے فرمایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ.....﴾ (البقرۃ:۲۱) ''اے لوگو! عبادت کرو اپنے ربّ کی جس نے پیدا کیا تمہیں......'' آپ کو معلوم ہے کہ روپے اور پیسے کی پوجا کس نوعیت سے ہوتی ہے۔ روپے کو کبھی کسی نے معبود نہیں مانا' لیکن اگر کوئی بالفعل اس کی بندگی کر رہا ہے تو اس کا نام خواہ عبدالرحمٰن ہو یا عبداللہ ہو' لیکن اصل میں وہ ''عبدالدّینار'' اور ''عبدالدّرہم'' ہے۔ اب آپ غور کیجیے کہ ہم میں سے کتنے ہوں گے جو اِن دونوں چیزوں یعنی نفس پرستی اور دولت پرستی کے اندر ملوث نہ ہوں! اگر کوئی ستر فیصد اللہ کے احکام مان رہا ہے تو تیس فیصد میں کوتاہی کر رہا ہے۔ اور آپ اس کوتاہی کو صرف ایک منفی قدر نہ سمجھئے کہ بس اللہ کی بندگی میں کمی اور کوتاہی ہے۔ نہیں! بلکہ وہاں مثبت طور پر آپ کسی اور کی بندگی کر رہے ہیں۔ یہ نفس کی بندگی ہو رہی ہے' پیسے کی بندگی ہو رہی ہے' شہرت کی پوجا ہو رہی ہے' اقتدار کی پوجا ہو رہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہماری زندگیوں میں یہ دونوں عبادتیں' دونوں پرستشیں' دونوں پوجائیں ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔ یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے لوگوں پر یہ آیۂ مبارکہ صادق آتی ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ج وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۸۵﴾﴾ (البقرۃ)

''تو کیا تم کتاب (اور شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کا انکار کرتے ہو؟ تو تم میں سے جو کوئی یہ جرم کریں اُن کا بدلہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ انہیں دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار کر دیا جائے اور آخرت کے دن انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے؟ اور اللہ اُن حرکات سے غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔''

اب یہاں ''اَشَدِّ الْعَذَابِ'' کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ

طرزِ عمل شرک ہے' اور شرک وہ جرم ہے کہ جس کے بارے میں اللہ نے فرما دیا کہ اس کی بخشش کا کوئی سوال نہیں۔

اقسامِ شرک کے حوالے سے دو تقسیمیں تو وہ ہیں جو میں نے آپ کے سامنے رکھیں' یعنی شرکِ جلی اور شرکِ خفی' یا شرکِ عقیدہ اور شرکِ عملی۔ امام ابن تیمیہؒ کا ان مباحث میں بڑا اونچا مقام ہے۔ میں اُن کی اصطلاحات بھی آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ ایک ہے شرک فی المعرفۃ' یعنی اللہ کی پہچان میں شرک' اور ایک ہے شرک فی الطلب۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ (الحج) ''مدد چاہنے والا بھی کمزور اور بودا ہے اور جس سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور اور بودا ہے''۔ ہر انسان کی زندگی کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مقصود اور مطلوب کو معین کر کے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ اور توحید کا تقاضا یہ ہے کہ مقصود اور مطلوب کے درجے میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہ ہو۔ کلمۂ طیبہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا اس اعتبار سے مفہوم ہے: لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ' لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ' لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اگر مقصود و مطلوب اور محبوب ہونے کے اعتبار سے کوئی اور اللہ کے برابر ہو گیا' تو یہی تو شرک ہے۔ بقولِ اقبال: ؎

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

امام ابن تیمیہؒ نے شرک کی بحث کو اِن دو اصطلاحات میں جمع کیا ہے۔ ایک ہے ''شرک فی المعرفۃ'' یعنی اللہ کی پہچان میں کوئی کمی ہو' اس کی ذات وصفات کے ضمن میں کسی کو لا کر اس کا ساجھی اور ہم پلہ بنا دیا گیا ہو۔ یہ معرفت خداوندی میں شرک ہے۔ اور جو شرک فی العمل ہے اس کو انہوں نے نام دیا ''شرک فی الطلب'' کہ اگر مقصود و مطلوب اور محبوبِ حقیقی ہونے کے اعتبار سے کوئی شے' کوئی شخص' کوئی ہستی' کوئی ادارہ اللہ کے ہم پلہ ہو جائے' دل کے سنگھاسن پر اگر وہ اللہ کے برابر آ کر بیٹھ جائے تو جان لیجیے کہ یہ شرک فی الطلب ہے۔

اقسامِ شرک کے حوالے سے ایک تیسری تقسیم بھی ہے جو میرے نزدیک زیادہ عام فہم (comprehensive) ہے اور میں ذیل میں اسی کے اعتبار سے بحث کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس تقسیم کے حوالے سے اقسامِ شرک کا ایک دفعہ احاطہ کرلیا جائے تو اِن شاءاللہ وہ باطنی بصیرت پیدا ہو جائے گی کہ اگر کبھی شرک کی کوئی اور صورت بھی پیدا ہوئی تو اِس بصیرت کی روشنی میں اس کے پہچاننے میں دقت نہیں ہوگی۔

اس تقسیم کی رو سے شرک کی تین قسمیں ہیں: ایک ہے ''شرک فی الذات'' یعنی اللہ کی ہستی، اللہ کی ذات میں کسی اور کو اس کا ساجھی اور ہم پلہ بنا لینا۔ اس کے لیے عربی کا اصل لفظ ''کُفُو'' ہے۔ (ہم اردو بول چال میں عام طور پر ''ہم کفو'' کہہ دیتے ہیں' حالانکہ لفظ ''کفو'' میں ''ہم کفو'' کا پورا مفہوم موجود ہے جو فارسی ترکیب ہے۔) سورۃ الاخلاص میں دوٹوک الفاظ میں فرما دیا گیا: ﴿وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ﴾ ''اور کوئی اس کا کفو نہیں ہے''! ''کفو'' کا مطلب ہے برابر' ہم سر۔ شیخ الہندؒ نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: ''اور نہیں ہے اس کے جوڑ کا کوئی۔'' پہلے زمانے میں شادی بیاہ کے معاملے میں یہ لفظ بہت استعمال ہوتا تھا کہ شادی کفو میں ہونی چاہیے' یعنی برابری کا معاملہ ہونا چاہیے اور اس معاملے میں مختلف اعتبارات سے دیکھا جانا چاہیے' تاکہ انمل' بے جوڑ والی بات نہ ہو جائے اور عدم موافقت نہ ہو' بلکہ ماحول کچھ ایک جیسا ہی ہو جس میں لڑکا اور لڑکی پلے بڑھے ہوں' تقریباً ایک ہی سطح کی زندگی انہوں نے بسر کی ہو' عادات میں کہیں بہت زیادہ فرق نہ ہو' مبادا نباہ میں رکاوٹ بن جائے۔ اور یہ معاملہ درحقیقت حکمت میں سے ہے۔ تو اس لفظ ''کفو'' کو ذہن میں لائیے کہ کسی کو اللہ کا کفو بنا دینا ''شرک فی الذّات'' ہے اور یہ بدترین' عریاں ترین اور گھناؤنا ترین شرک ہے' جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب بہت بھڑکتا ہے۔

دوسری قسم کا شرک ہے ''شرک فی الصفات'' کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی کو اس کے برابر کر دینا' مدّ مقابل بنا دینا' ساجھی قرار دے دینا اور مثل بنا دینا۔ آپ علماء کرام کے خطبات میں یہ الفاظ سنتے ہوں گے: لَا مِثْلَ لَہٗ وَلَا مِثَالَ لَہٗ وَلَا مَثِیۡلَ لَہٗ

وَلَا ضِدَّ لَہٗ وَلَا نِدَّ لَہٗ یہ تمام الفاظ اسی اعتبار سے ہیں کہ شرک کے ہر شائبے کی نفی ہو جائے‘ ہر نوعیت کا انکار ہو جائے‘ کہ نہ کوئی اس کا کفو ہے‘ نہ کوئی اس کا مثل ہے‘ نہ کوئی اس کی مثال ہے‘ نہ کوئی اس کا ہم رتبہ ہے‘ نہ کوئی اس کا ہم پلہ ہے‘ نہ کوئی اس کا مدّ مقابل ہے‘ نہ کوئی اس کا ساجھی ہے۔ تو صفات میں کسی کو کسی بھی پہلو سے اللہ تعالیٰ کے برابر کر دینا شرک فی الصفات ہے۔ اور میں پیشگی طور پر یہ عرض کر دوں کہ یہ بڑا لطیف اور نازک سا معاملہ ہے اور اس میں ایک علمی مسئلہ involve ہے۔ اس میں چند ایسی لطیف باتیں ہیں کہ اگر وہ مدّ نظر نہ رہیں تو بڑی آسانی سے انسان کا قدم توحید کی شاہراہ سے ہٹ کر شرک کے کسی راستہ پر پڑ سکتا ہے۔ اس میں مغالطہ بے شعوری طور پر‘ بلکہ میں تو کہوں گا کہ خلوص کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس نوع کے شرک کے بارے میں ع ’’ہشدار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را‘‘ والا معاملہ ہے۔ جیسے پلِ صراط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے‘ ایسا ہی معاملہ شرک فی الصفات کا ہے۔ اس کے چند اہم اور موٹے موٹے مسائل پر جب گفتگو ہو گی تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی اور آپ کو اِن شاء اللہ الجبرا کے فارمولوں کی طرح وہ بات ہاتھ میں آ جائے گی کہ جس کے بعد ایسے بہت سے عقدے جو ہمارے ہاں عقائد کے ضمن میں پڑے ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے بڑی کھینچ تان‘ کشمکش اور رسہ کشی ہے‘ وہ تمام عقدے حل ہوتے چلے جائیں گے۔

تیسرا شرک ہے ’’شرک فی الحقوق‘‘ یعنی اللہ کے حقوق میں اس کے ساتھ شرک کرنا‘ کسی کو حقوق کے معاملے میں اس کا ساجھی بنانا یا اس کے برابر کرنا۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق اگر گنے جائیں تو بہت ہو جاتے ہیں‘ لیکن ’’ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں‘‘ کے مصداق ایک لفظ ایسا بھی ہے کہ جس میں اللہ کے تمام حقوق جمع ہو جاتے ہیں اور وہ لفظ ’’عبادت‘‘ ہے‘ جو تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ رہا ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (البقرۃ) ’’اے لوگو! عبادت کرو اپنے ربّ کی جس نے

پیدا کیا تم کو اور اُن کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں‘ تا کہ تم بچ سکو‘‘۔اور:﴿یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَالَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰـهٍ غَيۡرُهٗ﴾(ھود:۵۰‘۶۱‘۸۴) ’’اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو‘ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔‘‘ اور :﴿اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّـقُوۡهُ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝۳﴾ (نوح) ’’یہ کہ اللہ کی عبادت کرو‘ اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری پیروی کرو۔‘‘

عبادت انسان کی غایتِ تخلیق ہے‘ اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ۝۵۶﴾ (الذّٰریٰت) ’’اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت (بندگی) کے لیے پیدا کیا۔‘‘ لہٰذا اس لفظ ’’عبادت‘‘ میں اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق آ گئے۔ چنانچہ ’’شرک فی الحقوق‘‘ کو ’’شرک فی العبادت‘‘ کہا جا سکتا ہے۔ عبادت کے پانچ رُخ ہیں جن کے بارے میں بحث سے معلوم ہو جائے گا کہ شرک فی العبادت کی کون کون سی صورتیں ہیں۔ اس سے ہمیں اِن شاء اللہ موجودہ شرک کے علاوہ وہ قدیم شرک جو دنیا میں پائے گئے‘ ان سب کا فہم وشعور حاصل ہو جائے گا‘ بلکہ وہ بصیرت بھی پیدا ہو جائے گی کہ جس کے نتیجے میں آئندہ بھی اگر یہ مرض کسی اور صورت میں ظاہر ہوا تو اس کو سمجھنا اور پہچاننا آسان ہو جائے گا۔

شرک فی الذّات

اب میں اللہ کا نام لے کر ’’شرک فی الذات‘‘ کی بحث شروع کر رہا ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ بدترین‘ عریاں ترین‘ گھناؤنا ترین اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین شرک ہے۔ دنیا میں اس شرک کی دو صورتیں رائج رہی ہیں۔ ایک کو مذہبی نوعیت کا شرک کہا جا سکتا ہے اور ایک کو فلسفیانہ نوعیت کا شرک۔ بلکہ صحیح تر تعبیر یہ ہو گی کہ پہلا شرک وہ ہے جو اُن قوموں میں پیدا ہوا جو اپنے آپ کو رسولوں سے منسوب کرتی ہیں اور آسمانی ہدایت پر یقین رکھتی ہیں۔ اور دوسرا شرک وہ ہے جو اُن قوموں میں پیدا ہوا کہ جن کے مذاہب کی اصل حقیقت فلسفیانہ ہے‘ کچھ حکماء اور فلاسفہ کے فکر اور سوچ

پر اُن کے مذہب کی بنیاد قائم ہے۔

اب پہلی نوعیت کے شرک کو لیجیے! یہ ہے کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی قرار دینا۔ ظاہر بات ہے کہ بیٹا یا بیٹی تو ہم جنس اور ہم نوع ہوئے! جیسے مغل کا بیٹا مغل ہے‘ انسان کا بیٹا انسان ہے اور گھوڑے کا بیٹا گھوڑا وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ یہ نوع میں‘ جنس میں‘ مرتبہ میں‘ غرض ہر اعتبار سے بالکل برابری اور کفو والا معاملہ ہے‘ اور یہی وجہ ہے کہ اس نوع کے شرک پر اللہ تعالیٰ کا غضب بہت بھڑکتا ہے۔ اور یہ کس قدر قابل تعجب بات اور ستم ظریفی ہے کہ اس نوع کے شرک میں مبتلا وہ لوگ ہوئے جو نبیوں اور رسولوں کے ماننے والے ہیں‘ جو جلیل القدر پیغمبروں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والے ہیں‘ آسمانی ہدایت کا دم بھرنے والے اور اللہ کی کتابوں کو ماننے والے ہیں۔ چنانچہ ایک طرف تو مشرکینِ عرب تھے جو اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے اس موحّد اعظم حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام کی طرف‘ اور اُن کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم حنفی ہیں‘ یعنی دین حنیف پر ہیں‘ وہی دین حنیف جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ اور ان کا حال یہ تھا کہ انہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا۔

دوسری طرف یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ’’ابن اللہ‘‘ کہا‘ انہیں اللہ کا بیٹا مانا گیا۔ تورات کو آپ پڑھ جائیے تو معلوم ہوگا کہ وہاں شرک کی مذمت اس قدر شدت کے ساتھ آئی ہے کہ شرک کو زنا کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ وہاں بار بار آپ کو یہ تمثیل ملے گی کہ جیسے کسی شخص کی بیوی زنا کی مرتکب ہو اور اپنے شوہر سے بے وفائی کرے بالکل یہی طرزِ عمل ہے اُس شخص کا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی کر رہا ہے اور شرک کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کو اللہ کا شریک بنانے کی سزا کے طور پر ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا تھا جنہوں نے شرک کا ارتکاب کیا تھا‘ اور یہی وہ ارتداد کی سزا ہے جو ہمارے ہاں بھی موجود ہے۔ وہاں شرک کی پاداش میں ہزاروں اسرائیلیوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ لیکن اسی قوم میں پھر یہ شرک پیدا ہوا کہ انہوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ اور یہ مرض اور گمراہی اپنی انتہا اور نقطۂ عروج کو پہنچی ہے عیسائیوں کے

ہاں جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہودیوں میں تو صرف ایک دَور ایسا گزرا اور اُن کے کچھ مخصوص فرقے تھے جنہوں نے یہ شرک کیا‘ مگر مسیحیت تو کُل کی کُل اسی عقیدے پر مبنی ہے‘ اور انہوں نے اس معاملے میں اس درجے غلو کیا ہے کہ حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام کو صراحت کے ساتھ اللہ کا صلبی بیٹا قرار دیا اور ان کے لیے لفظ ’’وَلَد‘‘ استعمال کیا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھیے کہ ’’اِبن‘‘ کے لفظ میں دو احتمالات ہیں۔ عربی زبان میں ’’ابن‘‘ کسی تعلق اور نسبت کو بھی ظاہر کرتا ہے‘ اور ضروری نہیں کہ وہ باپ اور بیٹے ہی کی نسبت ہو۔ مثلاً آپ کسی کو ’’ابنُ الوقت‘‘ کہتے ہیں تو وہ وقت کا بیٹا نہیں ہے‘ بلکہ اس کا بندھن اور تعلق وقت سے ہے‘ مرغِ بادنما ہے‘ ہوا اِدھر کی چل رہی ہو تو اِدھر کو اُس کا رُخ ہے‘ اُدھر کی چل پڑے تو اُدھر کو اس کا رُخ ہو جائے گا۔ اسی طرح ’’ابنُ السبیل‘‘ کہتے ہیں راستہ چلنے والے مسافر کو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ راستے کا بیٹا ہے‘ بلکہ راستے کے ساتھ جڑا ہوا ہے‘ چلا جا رہا ہے۔ تو ’’ابن‘‘ کا لفظ ذو معنیین ہے۔

اناجیلِ اربعہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ’’بیٹا‘‘ کے معنوں میں اپنے لیے لفظ ’’ابن‘‘ استعمال کرتے تھے لیکن بطور استعارہ۔ جیسے تورات میں شرک کے لیے زنا کی تمثیل ملتی ہے کہ جیسے بیوی زنا کا ارتکاب کر کے اپنے شوہر سے بے وفائی کرتی ہے‘ اسی طرح ایک شخص شرک کر کے اپنے ربّ سے بے وفائی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اسی طرح اس نسبت کو دیکھئے جو باپ اور بیٹے کے درمیان ہے کہ باپ بھی چونکہ اپنے بیٹے کو پالتا پوستا اور پروان چڑھاتا ہے‘ اس کی پرورش کرتا ہے‘ لہٰذا اسی نسبت سے حضرت مسیحؑ نے اللہ کو مخلوق کا ربّ ہونے کی حیثیت سے آسمانی باپ اور انسانوں کو اُس کے بیٹے قرار دیا۔ اناجیل اربعہ میں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت مسیحؑ اللہ تعالیٰ کو جہاں ’’میرا آسمانی باپ‘‘ کہتے ہیں وہاں ’’تمہارا آسمانی باپ‘‘ بھی کہتے ہیں۔ ایسا قطعاً نہیں ہے کہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ (exclusively) اپنے ہی لیے لفظ ’’ابن‘‘ استعمال کیا ہو‘ بلکہ ’’تمام نوعِ انسانی کا آسمانی باپ‘‘ کہا گیا اور صرف

استعارہ کے طور پر۔ لیکن عیسائیوں نے آگے بڑھا کر اس عقیدے کو جہاں پہنچایا ہے وہ لفظ ''وَلَدٌ'' ہے۔ ''وَلَدٌ'' کے معنی صرف صلبی اولاد کے ہیں' اور اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل ہیں۔ لفظ ''وَلَدٌ'' میں کسی استعارے یا کسی اور تعلق کا معاملہ بھی نہیں ہے۔ تو یہ جان لیجیے کہ قرآن مجید نے عیسائیوں کے بارے میں تو دونوں باتیں کہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''ابنُ اللّٰہ'' بھی قرار دیا اور ''وَلَدُ اللّٰہ'' بھی قرار دیا۔ جیسے اُن کا قول نقل ہوا: ﴿اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ (البقرۃ: ۱۱۶ والکہف: ۴)۔ لیکن قرآن نے یہودیوں کے بارے میں صرف ایک الزام لگایا کہ انہوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ''ابنُ اللّٰہ'' قرار دیا۔ اور مشرکین عرب کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا۔

اب آپ دیکھئے' سورۃ الاخلاص' جو توحید کے موضوع پر جامع ترین سورۃ ہے' اس میں چار آیتوں میں سے پہلی دو آیتیں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲﴾ تو فلسفیانہ ہیں اور بہت بلند مفہوم کی حامل ہیں۔ لیکن آخری دو آیات جہاں آ کر مضمون سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے' وہ اسی نوع کے شرک سے متعلق ہیں اور اس کی نفی کر رہی ہیں: ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳﴾ ''نہ اُس نے جنا اور نہ وہ جنا گیا''۔ تمام صلبی رشتوں سے وہ بالکل پاک ہے۔ نہ کوئی اس کا باپ ہے نہ کوئی اس کی ماں ہے' نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کی بیٹی ہے۔ اور پھر اس کا جو مفہوم بیان کیا گیا' جو نتیجہ نکالا گیا' وہ ہے: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴﴾ ''اور اس کا کفو کوئی نہیں ہے''۔ اس کے جوڑ کا کوئی نہیں ہے' اس کی برابری کا کوئی نہیں ہے' اس کا ہم پلہ کوئی نہیں ہے' اس کا ہم جنس کوئی نہیں ہے اور اس کی نوع کا کوئی نہیں ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت جو شرک کے موضوع پر بڑی جامع آیت ہے' جس میں شرک کی نفی کے چار اسلوب اختیار کیے گئے' اس میں سب سے پہلا اسلوب یہی ہے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا......﴾ ''اور (اے نبیؐ!) کہیے کہ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا......'' سورۂ بنی اسرائیل کے فوراً

بعد سورۃ الکہف شروع ہوتی ہے۔ یہ دونوں سورتیں جڑواں ہیں اور حکمت قرآنی کے دو بہت بڑے خزانے ہیں جو قرآن مجید کے بالکل وسط میں موجود ہیں۔ سورۃ الکہف کے پہلے رکوع میں ذکر ہو رہا ہے:

﴿وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝٤ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝٥﴾

''اور (اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمدﷺ پر یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ) وہ تنبیہہ کر دیں اُن کو جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا۔ ان کے پاس اس ضمن میں کوئی علم نہیں ہے اور نہ ان کے آباء کے پاس۔ بہت بڑی بات ہے جو اُن کے مُنہ سے نکلتی ہے اور وہ محض جھوٹ بکتے ہیں''۔

اس نوع کے شرک پر اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا یہ انداز اپنے پورے نقطۂ عروج کو پہنچ جاتا ہے اگلی سورۃ' سورۂ مریم کے آخری رکوع میں۔ جو شخص عبارت کے تیور کو پہچانتا اور لہجے کے فرق کو جانتا ہو وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں اللہ کا غیظ و غضب کس طرح بھڑکتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝٨٨ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝٨٩ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝٩٠ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝٩١ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّـتَّخِذَ وَلَدًا ۝٩٢﴾

''انہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے۔ تم ایک بڑی بھاری بات کر رہے ہو (بڑی جسارت اور بڑی ڈھٹائی کا معاملہ کر رہے ہو۔ یہ اس درجے کی جسارت اور ڈھٹائی ہے کہ) آسمان اس وجہ سے پھٹ پڑنے کو ہیں' زمین شق ہونے کو ہے اور پہاڑ ایک دھماکے کے ساتھ گر پڑنے کو ہیں' اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا قرار دیا' حالانکہ رحمٰن کے تو یہ شایانِ شان ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔''

ان میں سے آخری آیت بہت قابل غور ہے۔ شایانِ شان نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ بڑی سادہ سی بات ہے' لیکن پیش پا افتادہ حقائق بسا اوقات نگاہوں سے اوجھل ہو

جاتے ہیں۔ اولاد کی ضرورت اصل میں اس لیے ہوتی ہے کہ کوئی ہستی خود فانی ہو۔ اگر کسی کو بقاء اور دوام حاصل ہو اور اسے دنیا میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہو تو اسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔ اولاد تو بقاءِ نوع اور بقاءِ نسل کے لیے ہے۔ جو فانی ہے وہ یہ محسوس کرسکتا ہے کہ میری اولاد کی شکل میں میری ہستی کا ایک تسلسل برقرار رہے گا۔ اسی لیے تو وہ روتے ہیں جن کے ہاں اولاد نہیں، خاص طور پر جن کی اولادِ نرینہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا نام مٹ جائے گا۔ یہی طعنہ تو دیا گیا تھا محمد رسول اللہ ﷺ کو کہ ان کی کوئی اولادِ نرینہ نہیں، ان کا نام ختم ہو جائے گا، یہ تو ابتر ہیں، جس کے جواب میں سورۃ الکوثر نازل ہوئی:

﴿اِنَّـآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ۝ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ۝﴾

جبکہ اللہ تعالیٰ تو خود دائم ہے، قائم ہے، باقی ہے، الحیّ القیّوم ہے، لہٰذا ظاہر بات ہے کہ یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ اسے بھی کسی اولاد کی احتیاج ہو۔ یہ ضرورت تو اصل میں ان کے لیے ہے جو فی نفسہٖ بذاتہٖ فانی ہیں۔ لہٰذا فرمایا گیا: ﴿وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّـتَّخِذَ وَلَدًا ۝﴾ ''اور رحمٰن کے تو یہ شایانِ شان ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے''۔ سورۃ الانعام کی بڑی پیاری آیت ہے:

﴿بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَکُنۡ لَّـهٗ صَاحِبَةٌ ؕ﴾ (آیت ۱۰۲)

''وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ کوئی اس کی شریک زندگی (بیوی) ہی نہیں ہے؟''

اس لیے کہ اللہ کے لیے بیٹا یا بیٹی مانو گے تو پہلے اس کے لیے کوئی بیوی بھی ماننا پڑے گی۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اللہ کے لیے کوئی بھی بیوی ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ تو کیسے اس کے اولاد ہو جائے گی؟ وہ تو ''البدیع'' ہے۔ یہاں ''بدیع'' کے دونوں مفہوم ذہن میں رکھئے۔ ایک مفہوم ہے کائنات کو عدمِ محض سے وجود بخشنے والا۔ بدیع کا دوسرا

مفہوم ہے انوکھی چیز' بے مثل چیز۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی وہ شان بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ بے مثل ہے' اپنی ذات میں بالکل انوکھا ہے' اس کی کوئی بیوی نہیں' تو اس کی اولاد کہاں سے ہو جائے گی؟

اس ضمن میں قرآن مجید نے مشرکین عرب کے ذکر میں کچھ لطیف طنز بھی کیے ہیں کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے تو بزعم خویش اللہ کو بیٹے دیے' لیکن تم نے تو کمال کیا کہ الاٹ بھی کیں تو بیٹیاں کیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿اَفَاَصۡفٰىكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا ۝۴۰﴾ (بنی اسرائیل) ''(یہ بڑی عجیب بات ہے کہ) تمہارے ربّ نے تمہیں تو بیٹے عطا کر دیے' اور خود اپنے لیے اس نے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ یقیناً تم بڑی بھاری بات اپنی زبان سے نکال رہے ہو۔'' سورۃ النجم میں فرمایا گیا: ﴿اَلَـكُمُ الذَّكَرُ وَلَـهُ الۡاُنۡثٰى ۝۲۱ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ۝۲۲﴾ ''کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اس کے لیے بیٹیاں؟ یہ تقسیم تو بڑی ہی غیر منصفانہ ہے۔'' اس لیے کہ تم نے اسے الاٹ بھی کی ہیں تو بیٹیاں کی ہیں۔ یہی بات سورۃ الصّٰفّٰت میں یوں فرمائی گئی: ﴿اَصۡطَفَى الۡبَنٰتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ ۝۱۵۳ مَا لَـكُمۡ ۟ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ۝۱۵۴﴾ ''کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کو چھوڑ کر (اپنے لیے) بیٹیاں اختیار کر لیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے حکم لگا رہے ہو؟''

(اس موضوع پر گفتگو اگلی نشست میں جاری رہے گی۔)

اقول قولی هذا و استغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین و المسلمات OO

فکر و نظر

اسلام اور جاہلیت

''تفہیم القرآن'' کے آئینے میں

عتیق الرحمٰن صدیقی

لغوی اعتبار سے ''جہل'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی کام کو اس کے مقرر کردہ صحیح طریقے کے خلاف کیا جائے۔ اگر لاعلمی کی وجہ سے کیا جائے تو اسے جہلِ سادہ کہیں گے اور اگر جان بوجھ کر ارادتاً کیا جائے تو اسے جہلِ مرکب سے تعبیر کیا جائے گا۔ جہالت اور جاہلیت کا مادہ بھی جہل ہی ہے۔ عرب میں اسلام کے ظہور سے قبل لوگ علم و بصیرت سے محروم تھے اور اپنے اوہام و خرافات پر عمل کرتے تھے۔ کتاب حکیم میں اُس دَور کو عہدِ جاہلیت سے موسوم کیا گیا۔ سورۃ المائدۃ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰﴾

''تو کیا وہ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔''

یہاں ''حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ'' کا لفظ ''مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے' گویا ہر وہ طریقہ' قاعدہ یا قانون جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے خلاف ہو وہ جاہلیت کا قانون اور قاعدہ ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں لفظ جاہلیت کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے' کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے' اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبلِ اسلام کو جاہلیت کا دَور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر

لیے تھے۔ یہ طرزِ عمل جہاں جس دَور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہر حال جاہلیت ہی کا طرزِ عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے دیے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظامِ زندگی اس جزوی علم کے ساتھ ظنون واوہام اور قیاسات وخواہشات کی آمیزش کر کے بنا لیے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح ''جاہلیت'' کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے۔'' (المائدۃ: حاشیہ ۸۳)

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جب آلِ فرعون کے ظلم وستم سے نجات بخشی اور سمندر پھاڑ کر اُن کے لیے راستہ بنایا اور انہیں بحرِ احمر سے بخیریت گزار دیا' اور پھر راستے میں ایک ایسی قوم پر اُن کا گزر ہوا جو بُتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسے ہی معبود بنا دینے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

﴿اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٩﴾﴾ (الاعراف)

''تم لوگ بڑی نادانی (جہالت) کی باتیں کرتے ہو۔ یہ لوگ جس طریقہ کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو برباد ہونے والا ہے اور جو عمل وہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے۔''

فراعنۂ مصر کی بندگی کے اثرات بنی اسرائیل کے رگ وپے میں اس قدر سرایت کر چکے تھے کہ بُت کدہ دیکھتے ہی ان کے جذبات بھڑک اٹھے اور وہ بُتوں کے حضور ماتھا رگڑنے کے لیے مضطرب ہو گئے۔ قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں انہیں ایسی قوم سے موسوم کیا جو جہالت اور نادانی پر اتر آئی ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو جب طوفانی بارش نے آ لیا اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو اپنی آنکھوں کے سامنے غرق ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنے ربّ کو پکارا:

﴿رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٤٦﴾﴾ (ھود)

''اے ربّ! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے (جواب میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے' وہ تو

ایک بگڑا ہوا کام ہے۔ لہٰذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت کو تو نہیں جانتا۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنالے۔"

اس حوالے سے سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"ایمان ایک فکری و اخلاقی صفت ہے۔ مؤمن اسی صفت کے لحاظ سے مؤمن کہلاتا ہے۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ مؤمن ہونے کی حیثیت سے اس کا کوئی رشتہ بجز ایمانی و اخلاقی رشتہ کے نہیں ہے۔ گوشت پوست کے رشتہ دار اگر اس صفت میں اس کے ساتھ شریک ہیں تو وہ یقیناً اس کے رشتہ دار ہیں' لیکن اگر وہ اس صفت سے خالی ہیں تو مؤمن محض گوشت پوست کی حد تک ان سے تعلق رکھے گا' اس کا قلبی و روحانی تعلق ان سے نہیں ہوسکتا۔ اگر ایمان و کفر کی نزاع میں وہ مؤمن کے مدّ مقابل آئیں تو اس کے لیے وہ اور اجنبی کا فر یکساں ہوں گے۔" (سورۂ ہود' حاشیہ ۴۹)

ایمان اور کفر کی نزاع میں چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اہل کفر کا ہم نشین تھا اس لیے قرآن نے کہا کہ "اے نوح! وہ تمہارے اہل میں سے نہیں' وہ نہایت نابکار رہے۔" گویا اللہ نے اپنے نبی کی درخواست کو ناپسند فرمایا اور نصیحت کی کہ تم جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنو۔ عربی میں "جھل" کے معنی جذبات سے مغلوب ہو جانے کے بھی ہیں۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے فرمایا: ﴿رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ط﴾ (ھود: ۴۷) "اے میرے ربّ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیز تجھ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں"۔

صاحبِ تفہیم القرآن فرماتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ انہیں (حضرت نوحؑ کو) متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے' محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے' تو وہ فوراً اپنے دِل کے زخم سے بے پروا ہو کر اس طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے"۔

مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کے پہلے سات سال انتہائی خوشحالی کے گزرے۔ اس کے بعد قحط کا دَور شروع ہوا' یہ قحط صرف مصر ہی میں نہ تھا بلکہ آس پاس کے ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ اسی دوران حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی غلہ خریدنے کے لیے مصر پہنچے تھے۔ ایک مرحلہ میں جب وہ حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے اپنے اہل و عیال کے مصیبت میں مبتلا ہونے کا تذکرہ کیا اور کہا: "ہم حقیر

سی پونجی لے کر آئے ہیں‘ آپ ہمیں بھرپور غلہ عنایت فرمائیں اور ہمیں خیرات دیں‘ اللہ خیرات دینے والوں کو جزا دیتا ہے۔‘‘ (یہ سن کر یوسفؑ سے نہ رہا گیا) آپؑ نے کہا:

﴿هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ بِيُوۡسُفَ وَاَخِيۡهِ اِذۡ اَنۡـتُمۡ جٰهِلُوۡنَ﴿۸۹﴾﴾ (یوسف)

’’تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جبکہ تم نادان تھے؟‘‘

یہاں ’’ اِذۡ اَنۡـتُمۡ جٰهِلُوۡنَ‘‘ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ سید مودودی نے یہاں ’’جٰهِلُوۡنَ‘‘ کے معنی نادان کے کیے ہیں۔ سوتیلے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ یقیناً یہ عمل جہالت اور نادانستگی پر مبنی تھا۔ حضرت یوسفؑ نے موقع کی موزونیت سے بھائیوں کو ماضی کے کرتوت یاد دلائے۔

سورۂ ابراہیم کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ﴿۱﴾﴾

’’ا۔ل۔ر۔ (اے محمدﷺ!) یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے‘ تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ ان کے ربّ کی توفیق سے‘ اُس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔‘‘

اس آیت کے ایک حصے کی توضیح کرتے ہوئے صاحبِ تفہیم القرآن لکھتے ہیں:

’’یعنی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا مطلب شیطانی راستوں سے ہٹا کر خدا کے راستے پر لانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہر وہ شخص جو خدا کی راہ پر نہیں ہے وہ دراصل جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے‘ خواہ اپنے آپ کو کتنا ہی روشن خیال سمجھ رہا ہو اور اپنے زعم میں کتنا ہی نورِ علم سے منور ہو۔ بخلاف اس کے جس نے خدا کا راستہ پا لیا وہ علم کی روشنی میں آ گیا چاہے وہ ایک اَن پڑھ دیہاتی ہی کیوں نہ ہو‘‘۔ (حاشیہ نمبر ۱۰)

سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۳ کے پہلے جزو میں اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:

﴿وَقَرۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ وَلَا تَبَـرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ الۡاُوۡلٰى﴾

’’اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو‘‘۔

آیۂ کریمہ کے اس ٹکڑے کے ضمن میں سید مودودی اپنے تشریحی نوٹ میں یوں رقم طراز ہیں:

’’جاہلیت کا لفظ قرآن مجید میں اس مقام کے علاوہ تین جگہ اور استعمال ہوا ہے۔ ایک سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۵۴ میں، جہاں اللہ کی راہ میں لڑنے سے جی چرانے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ ’’اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے سے گمان رکھتے ہیں‘‘۔ دوسرے سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۰ میں جہاں خدا کے قانون کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا: ’’کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟‘‘ تیسرے سورۃ الفتح کی آیت ۲۶ میں، جہاں کفارِ مکہ کے اس فعل کو ’’حمیت جاہلیہ‘‘ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہوں نے محض تعصب کی بنا پر مسلمانوں کو عمرہ نہ کرنے دیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداءؓ نے کسی شخص سے جھگڑا کرتے ہوئے اس کو ماں کی گالی دی۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا: ’’تم میں ابھی تک جاہلیت موجود ہے۔‘‘ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ’’تین کام جاہلیت کے ہیں: دوسروں کے نسب پر طعن کرنا، ستاروں کی گردش سے فال لینا اور مُردوں پر نوحہ کرنا‘‘۔ ان تمام استعمالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جاہلیت سے مراد اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرزِ عمل ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت، اسلامی اخلاق و آداب اور اسلامی ذہنیت کے خلاف ہو۔ اور جاہلیتِ اولیٰ کا مطلب وہ برائیاں ہیں جن میں اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اور دنیا بھر کے دوسرے لوگ مبتلا تھے۔‘‘

آیت کے اس حصے میں یہ بھی فرمایا گیا: ’’اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو‘‘۔ عورت کے لیے جب لفظ تبرّج استعمال کیا جائے تو اس کے تین مطلب ہوں گے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے چہرے اور جسم کا حسن لوگوں کو دکھائے، دوسرے یہ کہ وہ اپنے لباس اور زیور کی شان دوسروں کے سامنے نمایاں کرے، تیسرے یہ کہ وہ اپنی چال ڈھال اور چٹک مٹک سے اپنے آپ کو نمایاں کرے ...... اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرزِ عمل سے عورتوں کو روکنا چاہتا ہے وہ ان کا اپنے حسن کی نمائش کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکلنا ہے، وہ ان کو ہدایت فرماتا ہے کہ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو کیونکہ تمہارا اصل کام گھر میں ہے نہ کہ باہر۔ لیکن اگر باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو اس شان کے ساتھ نہ نکلو جس کے ساتھ سابق دورِ

جاہلیت میں عورتیں نکلا کرتی تھیں۔ بن ٹھن کر نکلنا' چہرے اور جسم کے حسن کو زیب و زینت اور چست لباسوں یا عریاں لباسوں سے نمایاں کرنا اور ناز و ادا سے چلنا ایک مسلم معاشرے کی عورتوں کا کام نہیں ہے۔ یہ جاہلیت کے طور طریقے ہیں جو اسلام میں نہیں چل سکتے۔ اب یہ بات ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ جو ثقافت ہمارے ہاں رائج کی جا رہی ہے وہ قرآن کی رو سے اسلام کی ثقافت ہے یا جاہلیت کی ثقافت۔ البتہ اگر کوئی اور قرآن ہمارے کرم فرماؤں کے پاس آ گیا ہے جس سے اسلام کی یہ نئی روح نکال کر مسلمانوں میں پھیلائی جا رہی ہے تو بات دوسری ہے''۔(تفہیم القرآن' جلد چہارم' صفحہ ۹۱' ۹۲)

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب مدین والوں سے مخاطب ہو کر کہا:

﴿وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۸۶﴾﴾ (ھود)

''اور برادرانِ قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو اُن کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو' اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مؤمن ہو' اور بہرحال میں تمہارے اوپر کوئی نگران کار نہیں ہوں۔''

تو داعیٔ حق کے جواب میں حضرت شعیبؑ کی قوم کے زردار اُن سے کہتے ہیں:

﴿يٰشُعَيۡبُ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ فِىۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنۡتَ الۡحَـلِيۡمُ الرَّشِيۡدُ ﴿۸۷﴾﴾ (ھود)

''اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے؟''

آیت کے پہلے حصے کے ضمن میں سید مودودی لکھتے ہیں:

''یہ دراصل ایک طعن آمیز فقرہ ہے' جس کی روح آج بھی آپ ہر اُس سوسائٹی میں موجود پائیں گے جو خدا سے غافل اور فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی ہو۔ چونکہ نماز

دینداری کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ نمایاں مظہر ہے اور دینداری کو فاسق و فاجر لوگ ایک خطرناک مرض سمجھتے ہیں' اس لیے نماز ایسے لوگوں کی سوسائٹی میں عبادت کے بجائے علامت مرض شمار ہوتی ہے ...... اگر کہیں نمازی آدمی ٹھیک ٹھیک انھی اندیشوں کے مطابق جو اُس کی نماز سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے' برائیوں پر تنقید اور بھلائیوں کی تلقین شروع کر دے تب تو نماز اس طرح کوسی جاتی ہے گویا یہ ساری بلا اسی کی لائی ہوئی ہے۔'' (حاشیہ۹۶)

اہل مدین ناپ تول کے پیمانوں میں جو ڈنڈی مارتے تھے اس پر تنقید کو وہ اپنی خود مختاری میں بے جا مداخلت تصور کرتے تھے' ان کا یہ طرزِ عمل جاہلیت پر مبنی تھا۔ صاحبِ تفہیم القرآن ان کے جاہلانہ نظریات پر نہایت مدلل انداز میں نہ صرف نقد کرتے ہیں بلکہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ مذہبی اور دُنیوی دوائر میں الگ الگ تقسیم کا تخیل نیا نہیں کہ جسے ذہنی ارتقاء اور روشن خیالی سے تعبیر کیا جائے' بلکہ یہ تاریک خیالی ہزار ہا برس پہلے کی جاہلیت میں بھی اسی شان سے پائی جاتی تھی۔ ملاحظہ فرمایئے:

''یہ اسلام کے مقابلہ میں جاہلیت کے نظریہ کی پوری ترجمانی ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کے سوا جو طریقہ بھی ہے غلط ہے اور اس کی پیروی نہ کرنی چاہیے' کیونکہ دوسرے کسی طریقہ کے لیے عقل' علم اور کتبِ آسمانی میں کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ کہ اللہ کی بندگی صرف ایک محدود مذہبی دائرے ہی میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ تمدن' معاشرت' معیشت اور سیاست غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے' اس لیے کہ دنیا میں انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کا ہے اور انسان کسی چیز پر بھی اللہ کی مرضی سے آزاد ہو کر خود مختارانہ تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے مقابلہ میں جاہلیت کا نظریہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو طریقہ چلا آ رہا ہو انسان کو اس کی پیروی کرنی چاہیے اور اس کی پیروی کے لیے اس دلیل کے سوا مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔ نیز یہ کہ دین و مذہب کا تعلق صرف پوجا پاٹ سے ہے' رہے ہماری زندگی کے عام دُنیوی معاملات تو ان میں ہم کو پوری آزادی ہونی چاہیے کہ جس طرح چاہیں کام کریں۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زندگی کو مذہبی اور دُنیوی دائروں میں الگ الگ تقسیم کرنے کا تخیل آج کوئی نیا تخیل نہیں ہے' بلکہ آج سے ساڑھے تین ہزار برس پہلے حضرت شعیبؑ کی قوم کو بھی اس تقسیم پر ویسا ہی اصرار تھا جیسا کہ آج اہل مغرب اور ان کے مشرقی شاگردوں کو ہے۔ یہ

فی الحقیقت کوئی ''نئی روشنی'' نہیں ہے جو انسان کو آج ''ذہنی ارتقاء'' کی بدولت نصیب ہوگئی ہو' بلکہ یہ وہی پرانی تاریک خیالی ہے جو ہزار ہا برس پہلے کی جاہلیت میں بھی اسی شان سے پائی جاتی تھی اور اس کے خلاف اسلام کی کشمکش بھی آج کی نہیں ہے بلکہ بہت قدیم ہے۔'' (سورۂ ھود: حاشیہ ۹۷)

معلوم ہوا کہ اسلام اور جاہلیت دو بالکل متغائر اور متضاد نظریے ہیں۔ اوّل الذکر وحیٔ الٰہی کی اساس پر قائم ہے اور ثانی الذکر اوہام و خرافات اور قیاسات پر مبنی ہے۔ اوّل الذکر میں قانون سازی کا کامل اختیار حاکمِ حقیقی کے پاس ہے اور ثانی الذکر انسان کے تراشیدہ ناقص اور ناتمام علم پر مبنی ہے۔ مختصراً زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی بندگی کے سوا ہر طریقہ غلط' نادرست اور جاہلیت کا ترجمان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ ثَلَاثَۃٌ : مُلْحِدٌ فِی الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃَ الْجَاہِلِیَّۃِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِیءٍ بِغَیْرِ حَقٍّ لِیُھْرِیْقَ دَمَہٗ))(۱)

''اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ تین اشخاص ہیں: (۱) حدودِ حرم میں زیادتی و سرکشی کرنے والا۔ (۲) اسلام میں جاہلیت کے طور طریقے تلاش کرنے والا — اور (۳) جو ناحق کسی کا خون بہانے کے درپے ہو۔''

صاحبِ تفہیم القرآن نے اسی بات کو نہایت خوبصورت اسلوب میں آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں استدلال کی قوت سے مبرہن کرنے کی کوشش کی ہے۔ فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء!

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الدیات' عن ابن عباسؓ۔

اسلامی معاشرت

حقوق الوالدین

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حقوق کی دو قسمیں ہیں' حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ میں تمام عبادات شامل ہیں۔ دراصل اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی الوہیت کو بلاشرکتِ غیرے مانا جائے۔ جس طرح وہ اپنی ذات میں تنہا ہے اسی طرح اس کی صفات بھی بے مثل ہیں۔ وہ ہر قسم کی کمزوری اور عیب سے پاک ہے۔ ہر قسم کی مالی' بدنی اور قولی عبادات اسی کے لیے ہے۔ پس اس کو معبودِ حقیقی مان کر اس کی بندگی بجا لائی جائے' اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے' گناہوں کی بخشش کے لیے اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔

حقوق العباد وہ حقوق ہیں جو بندوں کے بندوں پر ہیں۔ ہر انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ لین دین' میل جول اور تعلق ہوتا ہے۔ اگر انسان کا رویہ دوسروں کے ساتھ ایسا ہے کہ وہ کسی کے لیے پریشانی اور تکلیف کا باعث نہیں بنتا تو یوں سمجھئے کہ وہ حقوق العباد کی ادائیگی کا شعور رکھتا ہے۔ یہی مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کہ:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ)) (متفق عليه)

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں''۔ یعنی وہ کسی مسلمان کے لیے اذیت کا باعث نہ ہو۔

حقوق العباد میں سرفہرست والدین کے حقوق ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں شرک سے روکا گیا ہے وہاں ساتھ ہی والدین کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا: ﴿لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (آیت ۸۳) ''نہ تم عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ کے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو''۔ اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل میں ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (آیت ۲۳) ''اور تیرے ربّ نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ

اچھا سلوک کرو''۔

ماں باپ بڑے دکھ اٹھا کر اور تکلیفیں برداشت کر کے اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ جب اولاد جوان ہو جاتی ہے تو والدین اُس وقت بوڑھے اور ضعیف ہو چکے ہوتے ہیں' ان کے اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں اور وہ معذور اور محتاج ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اولاد پر لازم ہے کہ وہ اُن کی خدمت کرے اور اُن کی ضروریات پوری کرے' بچپن اور لڑکپن میں انہوں نے جو احسان ان پر کیے ہیں انہیں یاد رکھے۔ بڑھاپے میں انسان کا مزاج بھی اعتدال سے ہٹ جاتا ہے' طبیعت چڑ چڑی ہو جاتی ہے' بات بات پر غصہ آتا ہے۔ چنانچہ اولاد کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ اُن کی کسی بات کا برا نہ مناؤ' اُن کو مت جھڑکو' جھڑکنا تو دُور کی بات ہے انہیں اُف تک نہ کہو' بلکہ اُن کے ساتھ نرمی سے بات کرو۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

﴿اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ﴿۲۳﴾ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا ﴿۲۴﴾﴾

''اگر (ماں باپ) دونوں یا اُن میں سے کوئی ایک تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائے تو اُن کو اُف بھی نہ کہو اور انہیں جھڑک کر بات نہ کرو' بلکہ اُن کے ساتھ نرم لہجے میں گفتگو کرو اور اُن کے لیے تواضع اور انکسار کے بازو رحمت اور محبت کے ساتھ جھکا دو' اور دعا کرو اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے (محبت اور پیار سے) مجھے بچپن میں پالا تھا''۔

والدین کے حق میں یہ بڑی جامع دعا ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے۔ غور کریں تو اِس دُعا کے اندر بڑا اہم نکتہ ہے' اور وہ یہ کہ بندہ پروردگار سے یہ دعا کرتا ہے کہ جیسے میرے ماں باپ نے بچپن میں مجھے اس طرح پالا کہ وہ میری چھوٹی بڑی غلطیوں کو معاف کرتے تھے اور سزا نہیں دیتے تھے' اسی طرح اے پروردگار! تو بھی میرے والدین کے گناہوں اور خطاؤں سے درگزر فرما اور ان پر رحم کر۔ والدین کے حق میں یہ بڑی جامع دعا ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے۔

ماں باپ کا احسان کوئی نہیں اتار سکتا۔ وہ اپنے بچوں کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچاتے ہیں۔ ان کی ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔ گرمی اور سردی سے بچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ لباس اور خوراک مہیا کرتے ہیں۔ الغرض اُن کی تمام ضروریات احسن طریقے سے

پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس اولاد کا بھی یہ اخلاقی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے اُن محسنین کے احسان کو فراموش نہ کرے' بلکہ اچھے طریقے سے اُن کے احسانات کا بدلہ چکانے کی کوشش کرے۔

ماں باپ میں سے ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے' کیونکہ اولاد کی پرورش میں وہ باپ سے زیادہ مشقت اٹھاتی اور تکلیف برداشت کرتی ہے۔ پہلے تو پیٹ میں اس کا بوجھ اٹھاتی ہے' پھر اسے اذیت کے ساتھ جنم دیتی ہے' بعدازاں اس کی پرورش کے دوران اُس کی خاطر اپنا آرام اور چین قربان کر دیتی ہے۔ رات کو اسے خشک بستر پر سلاتی ہے اور خود گیلی جگہ پر لیٹ جاتی ہے۔ ماں کی بجائے نہ باپ ایسا کر سکتا ہے نہ کوئی اور۔ اسی لیے جب حضورﷺ سے ایک صحابیؓ نے دریافت کیا کہ حضورؐ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ اُس نے پوچھا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ اب کے آپؐ نے جواب دیا: ''تیرا باپ''۔ یوں ماں کا رتبہ باپ سے بھی زیادہ ہوا۔

باپ کے بارے میں رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''باپ کی خوشنودی میں اللہ کی خوشنودی ہے اور باپ کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے''۔ ایک دفعہ آپﷺ نے فرمایا: ''جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے''۔ پس ماں کی خدمت کرنا اور اس کو راحت پہنچانا جنت پانا ہے۔ ماں باپ کی خدمت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جس کے بوڑھے اور کمزور والدین کو بیٹے کی خدمت کی ضرورت ہو وہ نہ تو سفرِ حج اختیار کر سکتا ہے اور نہ جہاد کے لیے جا سکتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے آیا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا: ''کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟'' اس نے عرض کیا کہ ہاں میرے والدین ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: ''کیا انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟'' اس نے کہا ایسا تو نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تو پھر ماں باپ کے پاس واپس جاؤ اور یہاں آنے سے پہلے اُن سے اجازت مانگو' پھر اگر وہ تمہیں اجازت دیں تو آؤ اور جہاد میں لگ جاؤ اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو اُن کی خدمت میں رہو اور حسن سلوک کرتے رہو۔'' (سنن ابی داؤد' مسند احمد) پس جب ماں باپ خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا اُن کی خبر گیری کرنے والا نہ ہو تو پھر بلاشبہ ان کی خدمت اور خبر گیری ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم ہو گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا: ''کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟'' اُس نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تو پھر اُن کی خدمت اور راحت رسانی میں لگے رہو' یہی تمہارا جہاد ہے''۔ (سنن ابی داؤد)

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرنے والی اولاد کو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی خاص برکتوں سے نوازتا ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت' فرمانبرداری اور حسنِ سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر بڑھا دیتا ہے''۔ (کامل ابن عدی)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمر تو ہر کسی کی پہلے سے معین ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی' تو پھر والدین کی فرمانبرداری کی وجہ سے عمر میں اضافہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے یہ معلوم تھا کہ فلاں شخص اپنے ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرے گا' لہٰذا اُس کی عمر اس سے زیادہ مقرر فرمائی گئی جتنی کہ اس کو ماں باپ کا نافرمان ہونے کی صورت میں دی جاتی۔ پھر یہ ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ اپنے والدین کی خدمت کرتے ہیں اُن کی اولاد بھی اُن کی فرمانبردار ہوتی ہے' جبکہ جو لوگ ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں انہیں اپنی اولاد کے ہاتھوں اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والا بہت بڑے خسارے میں ہے۔ ایسے شخص کی بدبختی کا اندازہ لگایئے کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دعا کی کہ ہلاک اور برباد ہو وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا مگر اُن کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرسکا۔ اس دُعا پر رسول اللہ ﷺ نے آمین کہا۔ (حاکم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی ذلیل ہو' خوار ہو' رسوا ہو!'' پوچھا گیا حضورؐ کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بدنصیب جو اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہ جاسکے''۔ (مسلم)

صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟'' صحابہ نے کہا: ہاں ضرور ارشاد فرمایئے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنا ہے''۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ تمہاری جنت ہیں اور وہ تمہاری دوزخ ہیں''۔ (سنن ابن ماجہ) معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت انسان کو جنت میں لے جائے گی اور ماں باپ کی نافرمانی اور گستاخی دوزخ میں داخلے کا سبب بن جائے گی۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں ہوں۔ وہیں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون بندہ ہے جو یہاں جنت میں قرآن پڑھ رہا ہے؟ اس پر مجھے بتایا گیا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں''۔ اپنا خواب بیان کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''یہ حارثہ اپنی ماں کے بہت خدمت گزار اور اطاعت شعار تھے''۔ (شرح السنۃ للبغوی وشعب الایمان)

ماں باپ کے ادب واحترام اور خدمت وفرمانبرداری کی اس قدر تاکید ہے کہ اولاد پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ ماں باپ کے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کریں۔ ایسا کرنا ان کے گناہوں کی معافی کا باعث ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور! میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے' کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے (اور مجھے معافی مل سکتی ہے)؟ آپؐ نے پوچھا: ''کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟'' اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟'' اس نے عرض کیا: ہاں خالہ موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تو اس کی خدمت میں لگ جا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کر (اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہاری توبہ قبول کرلے گا اور تمہیں معاف فرمادے گا)''۔ (جامع ترمذی)

حضرت ابو ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا۔ اسی اثناء میں ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آیا اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد بھی مجھ پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا لازم ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہاں' چار باتیں تجھ پر ضروری ہیں: ان کی نماز جنازہ ادا کرنا' ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہنا' جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اس کو پورا کرنا' ان کے دوستوں کا احترام کرنا اور ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا جن سے ان کی وجہ سے رشتہ داری ہو۔ یہ نیکی ایسی ہے جو اُن کی وفات کے بعد بھی تم پر لازم ہے''۔ (ضیاء القرآن' ج ۲' ص ۶۵۲)

اگر والدین گمراہ یا بد دین ہوں تو بھی اُن کے ساتھ سختی یا گستاخی کی اجازت نہیں۔ ان کی گمراہی یا فسق و فجور کا گناہ ان کے سر ہے، مگر اولاد کو اجازت نہیں کہ ان کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آئے، کیونکہ گمراہ والدین بھی اپنی اولاد کی پرورش میں تکلیف اور مشقت برداشت کر چکے ہوتے ہیں۔ سورۂ لقمان میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (آیت ۱۵)

''اور اگر وہ (والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا جس کے لیے تیرے پاس کوئی علم (کوئی دلیل) نہیں تو اُن کی بات مت مان، لیکن دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے مطابق پیش آ (حسنِ سلوک کا مظاہرہ کر)''۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ میری ماں جو اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھیں، سفر کر کے میرے پاس مدینہ آئیں۔ میں نے رسول اللہﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ ضرورت مند ہے، تو کیا میں اُس کی خدمت کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، اس کی خدمت کرو اور اس کے ساتھ وہ سلوک کرو جو ایک بیٹی کو ماں کے ساتھ کرنا چاہیے''۔ (متفق علیہ)

ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی بہت بڑا گناہ ہے۔ بخاری شریف میں جن چار گناہوں کو کبیرہ کہا گیا ہے ان میں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہﷺ سے کبیرہ گناہوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک، ماں باپ کی نافرمانی، ایذا رسانی، قتلِ ناحق اور جھوٹی گواہی، یہ سب سے بڑے گناہ ہیں''۔

والدین کے حقوق کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے ماں باپ کی خدمت اور ادب و احترام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کر کے ان کی دعائیں لے۔ والدین کی دعائیں فرمانبردار اولاد کے حق میں بڑی تاثیر رکھتی ہیں۔ جن کے والدین فوت ہو چکے ہوں وہ اُن کے حق میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرتے رہیں۔ خاص طور پر قرآن میں مذکور دعا کے الفاظ ﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ کو معمول بنائیں۔ نیز والدین کے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کریں، اُن کے ادب و احترام اور خدمت کو لازم سمجھیں۔ ○○

اسلامی نظامِ زندگی

مسلمان کا طرزِ حیات (۴۸)

علامہ ابو بکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

"مِنہاجُ المسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العبادات

نواں باب

وفات سے متعلق احکام

۱) بیماری سے وفات تک

بیمار اور قریب الوفات شخص کو مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا چاہیے:

① صبر: مسلمان کو چاہیے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو صبر کرے، جزع فزع سے پرہیز کرے اور اس حالت پر بے جا شکوہ شکایت نہ کرے۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر اور بہت سی احادیثِ شریفہ میں صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ جب مریض سے اس کا حال پوچھا جائے تو یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ میں بیمار ہوں، یا مجھے تکلیف ہے، یا درد محسوس ہو رہا ہے اور ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔

② علاج: بیماری کی حالت میں مسلمان کے لیے جائز دواؤں کے ساتھ علاج کرنا مستحب ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یُنْزِلْ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَہٗ شِفَاءً فَتَدَاوَوْا)) (۱)

---

۱) سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب ما انزل الله داء الا انزل الله له شفاء۔و مستدرك حاكم، كتاب الطب، باب ان الله لم ينزل داء الا انزل له شفاء۔ **امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔**

''اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی اتاری ہے اس کی شفا بھی نازل کی ہے' لہٰذا دوا کیا کرو''۔

حرام چیزیں' مثلاً خنزیر اور شراب وغیرہ بطورِ علاج استعمال کرنا جائز نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَجْعَلْ شِفَاءَ کُمْ فِیمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ))[1]

''اللہ تعالیٰ نے تم پر جو چیز حرام کی ہے اس میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی''۔

③ دم جھاڑا: مسلمان کے لیے جائز ہے کہ قرآن مجید کی آیات' مسنون دعاؤں اور اچھے دعائیہ کلمات سے دم کروالے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا بَاْسَ بِالرُّقٰی مَا لَمْ یَکُنْ فِیْہِ شِرْکٌ))[2]

''دم کرنے کرانے میں کوئی حرج نہیں جب اس میں شرک نہ ہو''۔

④ منکے اور تعویذ وغیرہ: بیماری سے بچاؤ کے لیے منکے' پتھر اور تعویذ وغیرہ باندھنا حرام ہے۔ اس لیے مسلمان کے لیے تعویذ لٹکانا جائز نہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنْ عَلَّقَ تَمِیمَۃً فَقَدْ اَشْرَکَ))[3]

''جس نے تعویذ[4] لٹکایا اس نے شرک کیا''۔

نیز ارشاد ہے:

((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِیمَۃً فَلَا اَتَمَّ اللّٰہُ لَہٗ ' وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَۃً فَلَا وَدَ عَ اللّٰہُ لَہٗ))[5]

''جو تعویذ لٹکائے اللہ اس کا کام پورا نہ کرے' اور جو شخص گھونگا لٹکائے اللہ اسے راحت نہ بخشے''۔

---

۱) مستدرك حاكم' كتاب الطب' باب ان الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم۔ وطبرانی۔ اس کی سند صحیح ہے۔

۲) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب لا باس بالرقى ما لم يكن فيه شرك۔

۳) مسند احمد' ج٤' ص ١٥٦۔ ومستدرك حاكم' كتاب الطب' باب امسك النبى (ﷺ) عن بيعة رجل كان فى عضده تميمة۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

٤) حدیث میں تمیمة کا لفظ ہے۔ اسلام سے پہلے لوگ ایک قسم کا منکا گلے میں پہنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی وجہ سے وہ آفات سے محفوظ رہیں گے۔ اسے تمیمة کہتے تھے۔ تمیمة اور گھونگے نظر بد سے بچاؤ کے لیے بھی پہنتے تھے۔

٥) مسند احمد' ج٤' ص ١٥٤۔ ومستدرك حاكم' كتاب الطب بعد' باب اذا راى احدكم من نفسه او اخيه ما يحب فليبرك۔ امام حاکم نے فرمایا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں پیتل کا کڑا دیکھا تو فرمایا: ''تجھ پر افسوس' یہ کیا ہے؟'' اس نے عرض کی: ''بازو میں تکلیف کی وجہ سے پہنا ہے''۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَمَا اِنَّھَا لَا تَزِیْدُکَ اِلَّا وَھْنًا انْبِذْھَا عَنْکَ فَاِنَّکَ لَوْ مِتَّ وَھِیَ عَلَیْکَ مَا اَفْلَحْتَ اَبَدًا)) (۱)

''خبردار! یقیناً اس سے تیری کمزوری ہی بڑھے گی' اسے اپنے ہاتھ سے اتار دے' پس اگر تو اسے پہنے ہوئے مرگیا تو کبھی کامیاب نہیں ہوگا''۔

⑤ دم کرنے کے لیے کچھ مسنون دعائیں: جناب رسول اللہ ﷺ مریض کے جسم پر اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر یوں دعا فرماتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْھِبِ الْبَاْسَ' اِشْفِہٖ وَاَنْتَ الشَّافِیْ' لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُ کَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا)) (۲)

''اے اللہ! اے انسانوں کے ربّ! تکلیف دور فرما دے' اسے شفا عطا فرما دے' تو ہی شفا دینے والا ہے' تیری شفا کے بغیر کوئی شفا نہیں' ایسی شفا دے کہ کوئی بیماری نہ رہے''۔

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درد کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جسم کے جس حصے میں درد ہوتا ہے اس پر ہاتھ رکھو اور تین بار کہو: بِسْمِ اللّٰہِ ''اللہ کے نام سے'' پھر سات بار کہو:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ (۳)

''میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اور اس کی قدرت کی پناہ میں آتا ہوں' اس چیز کے شر سے جو میں محسوس کر رہا ہوں اور جس سے میں بچنا چاہتا ہوں''۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو ان الفاظ سے دم کیا:

---

۱) مسند احمد' ج ٤' ص ٤٤٥۔

۲) صحیح البخاری' کتاب الطب' باب رقیۃ النبی ﷺ۔ صحیح مسلم' کتاب السلام' باب استحباب رقیۃ المریض۔

۳) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب استحباب وضع یدہ علی موضع الالم مع الدعاء۔

بِسۡمِ اللّٰہِ اَرۡقِیۡکَ، مِنۡ کُلِّ شَیۡ ءٍ یُؤۡذِیۡکَ، مِنۡ شَرِّ کُلِّ نَفۡسٍ اَوۡ عَیۡنِ حَاسِدٍ، اَللّٰہُ یَشۡفِیۡکَ، بِسۡمِ اللّٰہِ اَرۡقِیۡکَ(۱)

''میں آپ کو اللہ کے نام سے دم کرتا ہوں، ہر اُس چیز سے جو آپ کو تکلیف دیتی ہے، ہر جان کے شر سے، یا حسد کرنے والے کی آنکھ سے، اللہ آپ کو شفا دے، میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں''۔

⑥ غیر مسلم سے اور عورت سے علاج کروانا: مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان کسی قابل اعتماد غیر مسلم سے دوا لے سکتا ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مجبوری کے وقت مرد عورت کا علاج کر سکتا ہے اور عورت مرد کا علاج کر سکتی ہے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بعض معاملات میں بعض مشرک افراد سے کام لیا ہے۔ (۲) اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خواتین جہاد کے دوران زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔

⑦ قرنطینہ کا جواز: جائز ہے بلکہ بہتر ہے کہ ہسپتالوں میں متعدی امراض کے لیے الگ وارڈ بنائے جائیں، اور عام صحت مند افراد کو ان مریضوں سے میل جول سے منع کیا جائے۔ صرف معالج اور خاص عملہ کے افراد ہی ان کے پاس آئیں۔ کیونکہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں والوں سے فرمایا تھا: ''بیمار (خارش زدہ) اونٹوں والا (اپنے جانور) صحت مند اونٹوں والوں کے پاس نہ لائے''۔ (۳)

اگر جانوروں کے متعلق یہ احتیاط درست ہے تو انسانوں کے بارے میں بدرجہ اولیٰ درست ہوگی۔ اسی طرح طاعون کے مرض کے متعلق آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے:

((فَاِذَا وَقَعَ بِاَرۡضٍ وَاَنۡتُمۡ بِهَا فَلَا تَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا، وَاِذَا وَقَعَ بِاَرۡضٍ وَلَسۡتُمۡ بِهَا فَلَا تَهۡبِطُوۡا عَلَيۡهَا)) (٤)

---

۱) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی۔

۲) مثلاً ہجرت کے سفر کے دوران آنحضرت ﷺ نے ایک ماہر شخص کی خدمات حاصل کی تھیں جو راستوں سے خوب واقف تھا۔ دیکھئے صحیح البخاری۔

۳) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لا عدویٰ ولا طیرۃ...... ولا یورد مُمرِض علی مُصِحّ۔

٤) جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی کراھیۃ الفرار من الطاعون **(اس مفہوم کی حدیث صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں بھی موجود ہے)۔**

''پس جب یہ وبا اس علاقے میں پھوٹ پڑے جہاں تم موجود ہو' تو وہاں سے مت نکلو' اور جب اس علاقے میں شروع ہو جہاں تم موجود نہیں ہو' تو وہاں مت جاؤ''۔

باقی رہی وہ حدیث کہ ((لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ))[۱] ''بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا' اور بدشگونی کچھ نہیں ہوتی''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر کسی کو کسی سے بیماری نہیں لگتی' کیونکہ اللہ کی سلطنت میں اللہ کے ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ عقیدہ یہ ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اس وبا سے محفوظ نہیں رکھ سکتا اور جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ نہ رکھے وہ بیماری سے نہیں بچ سکتا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ بعض اوقات ریوڑ میں ایک خارش زدہ اونٹ کے آ ملنے سے تمام اونٹوں کو خارش لگ جاتی ہے' تو آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''پہلے کو بیماری کس نے لگائی؟''[۲] یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ واضح فرمایا کہ اثر پیدا کرنا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے' اور جو کچھ وہ نہ چاہے' وہ نہیں ہوسکتا۔

⑧ **بیمار پرسی:** مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے بیمار مسلمان بھائی کی عیادت کرے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَطْعِمُوا الْجَائِعَ' وَعُوْدُوا الْمَرِیْضَ' وَفُكُّوا الْعَانِیَ))[۳]

''بھوکے کو کھانا کھلاؤ' مریض کی عیادت کرو' اور قیدی کو رہا کراؤ''۔

جب کوئی شخص بیمار کی عیادت کرے تو مستحب ہے کہ اس کے لیے صحت کی دعا کرے' اور اسے صبر کی تلقین کرے' اور اس سے تسلی تشفی کی باتیں کرے جن سے مریض کی پریشانی کم ہو' اور بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کی عیادت کو جاتے تو اسے یوں تسلی دیتے تھے:

((لَا بَأْسَ ' طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ))[٤]

''کوئی بات نہیں' اللہ نے چاہا تو (گناہوں سے) پاکیزگی حاصل ہو جائے گی''۔

لہٰذا عیادت کے وقت یہ الفاظ کہنے چاہئیں۔

---

۱) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب لا عدویٰ ولا طیرة ...... الخ۔

۲) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب لا عدویٰ وطیرة ...... الخ۔

۳) صحیح البخاری' کتاب الاطعمة' باب قول اللّٰه تعالیٰ : ﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾

٤) صحیح البخاری' کتاب المرضیٰ' باب عیادة الاعراب۔

⑨ مرض کے دوران اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن : جب مسلمان بیماری کی حالت میں یہ محسوس کرے کہ اس کا آخری وقت قریب ہے تو اسے اس وقت اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھنا چاہیے اور یہ امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے گا' اسے عذاب نہیں دے گا' اور اسے معاف فرمادے گا' مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ بہت وسیع مغفرت والا ہے اور اس کی رحمت سے کوئی شے محروم نہیں۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ)) (۱)

''جب کسی کو موت آئے تو اسے لازماً اللہ سے حسن ظن رکھتے ہوئے مرنا چاہیے''۔

⑩ کلمہ کی تلقین: جب مسلمان دیکھے کہ اس کا بھائی اس جہان سے رخصت ہو رہا ہے تو اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کرے۔ یعنی اس کے پاس لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے تاکہ مریض کو کلمہ یاد آ جائے اور وہ بھی کلمہ پڑھ لے۔ جب مریض ایک بار کلمہ پڑھ لے تو تلقین کرنے والا خاموش ہو جائے۔ اگر مریض اس کے بعد کوئی اور بات چیت کرے تو اسے دوبارہ کلمہ کی تلقین اسی طرح کی جائے' تاکہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس کی زبان سے نکلنے والی آخری بات لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ہو' اور اسے جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ))(۲)

''مرنے والوں کو لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کیا کرو''۔

نیز فرمایا:

((مَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِہٖ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ))(۳)

''جس شخص کی آخری بات لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ہوئی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا''۔

⑪ قریب الوفات مریض کو قبلہ رُخ کرنا: جس شخص پر موت کی علامات ظاہر ہو جائیں اسے دائیں کروٹ پر لٹا کر قبلہ رو کر دینا چاہیے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو چت لٹا کر اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر دیے جائیں۔ جب اس پر سکراتِ موت کی شدت ہو تو اس کے پاس سورۃ یٰسٓ پڑھی جائے۔ امید ہے کہ اس کی برکت سے اس پر یہ مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ حدیث نبویؐ ہے:

۱) صحیح مسلم' کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا' باب الامر بحسن الظن باللہ تعالی عند الموت۔

۲) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب تلقین الموتیٰ لا الہ الا اللہ۔

۳) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب فی التلقین۔ ومسند احمد۔ **یہ حدیث صحیح ہے۔**

((مَا مِنْ مَیِّتٍ یَمُوْتُ فَتُقْرَأُ عِنْدَہٗ یٰسٓ ‘اِلَّا ھَوَّنَ اللّٰہُ عَلَیْہِ)) (١)

’’جو شخص فوت ہوتا ہے اور اس کے پاس سورۃ یٰسٓ پڑھی جاتی ہے‘ اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرما دیتے ہیں۔‘‘

⑫ **میت کی آنکھیں بند کرنا اور اس پر چادر ڈالنا:** جب مسلمان کی رُوح پرواز کر جائے تو ضروری ہے کہ اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں اور میت کو کپڑے سے چھپا دیا جائے اور اس کے پاس صرف اچھی بات زبان سے نکالی جائے‘ مثلاً یوں کہا جائے ’’اے اللہ! اس کی مغفرت فرما‘ اے اللہ! اس پر رحمت فرما‘‘۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِیْضَ اَوِالْمَیِّتَ فَقُوْلُوْا خَیْرًا فَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ یُؤَمِّنُوْنَ عَلٰی مَا تَقُوْلُوْنَ)) (٢)

’’جب تم مریض کے پاس جاؤ ــــ یا فرمایا: میت کے پاس جاؤ ــــ تو اچھی بات کہو‘ کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں‘‘۔

جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ (میت کے پاس) تشریف لائے۔ ان کی ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں‘ پھر فرمایا:

((اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَہُ الْبَصَرُ ‘ فَضَجَّ نَاسٌ مِّنْ اَھْلِہٖ فَقَالَ : لَا تَدْعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِلَّا بِخَیْرٍ فَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ یُؤَمِّنُوْنَ عَلٰی مَا تَقُوْلُوْنَ)) (٣)

’’جب روح قبض کی جاتی ہے تو نظر اس کا پیچھا کرتی ہے‘‘ (یہ بات سن کر) ان کے گھر والوں میں سے کچھ افراد آواز سے رونے لگے‘ تو آنحضور ﷺ نے فرمایا: ’’اپنے بارے میں اچھی ہی دعا کرو‘ کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔‘‘

---

١) ”منهاج المسلم“ **میں یہ حدیث مسند الفردوس کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ سنن ابی داؤد وغیرہ میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:** ((اِقْرَءُ وْا یٰسٓ عَلٰی مَوْتَاکُمْ)) **’’مرنے والوں کے پاس یٰسٓ پڑھا کرو‘‘**۔ سنن ابی داوٗد‘ کتاب الجنائز‘ باب القراء ۃ عند المیت۔ وسنن النسائی (نحوہ) وسنن ابن ماجہ‘ کتاب الجنائز‘ باب ما یقول عند المریض اذا حُضر۔

٢) صحیح مسلم‘ کتاب الجنائز‘ باب ما یقال عند المریض والمیت۔

٣) صحیح مسلم‘ کتاب الجنائز‘ باب فی اغماض المیت والدعاء لہ اذا حُضر۔

۲) وفات سے دفن تک

① وفات کا اعلان: میت کے رشتہ داروں' دوستوں اور شہر کے نیک لوگوں کو وفات کی عام اطلاع کر دینا مستحب ہے' تا کہ وہ اس کے جنازے میں شریک ہو سکیں۔ جب حضرت نجاشیؒ کی وفات ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع دی۔[۱] اسی طرح جب حضرت زید' حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اُن کی شہادت کی خبر دی۔ حدیث میں جس اعلان کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ غلط طریقہ ہے کہ گلی کوچوں میں اور مسجدوں کے دروازوں پر بلند آواز سے چیخ چیخ کر اعلان کیا جاتا تھا۔ اس قسم کا اعلان شرعاً منع ہے۔

② نوحہ حرام ہے اور رونا جائز: میت پر نوحہ کرنا اور چیخ چیخ کر رونا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ الْحَیِّ))[۲]

''زندہ کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔''

نیز ارشاد ہے:

((مَنْ نِیحَ عَلَیْهِ فَاِنَّهٗ یُعَذَّبُ بِمَا نِیحَ عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ))[۳]

''جس پر نوحہ کیا گیا' اس نوحہ کی وجہ سے قیامت کے دن اسے عذاب دیا جائے گا''۔

حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں سے یہ بیعت لیا کرتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی۔ نیز فرمایا:

((اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ))[٤]

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب التکبیر علی الجنازة اربعا۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب التکبیر علی الجنازة۔

۲) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب المیت یعذب ببکاء اھله علیه۔ صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض بکاء اھله علیه (نحوه)۔

۳) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب المیت یعذب ببکاء اھله علیه۔

٤) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب ما ینهی عن الحلق عند المصیبة۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب۔ **صحیحین کی اس روایت میں یہ لفظ ہیں:** اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَرِیَٔ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَةِ **''رسول اللہ ﷺ نے واویلا کرنے والی' (اظہارِ غم کے لیے) سر منڈوانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔''**

''میں اس عورت سے بے زار ہوں جو واویلا کرتی ہے' اور جو (اظہارِ غم کے لیے) سر منڈواتی ہے اور جو کپڑے پھاڑتی ہے۔''

البتہ رونے اور آنسو بہانے میں کوئی حرج نہیں۔ جب جنابِ رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا' وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ))[1]

''آنکھ سے آنسو بہتے ہیں' دل غمگین ہے' (لیکن زبان سے) ہم وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا ربّ راضی ہو' اے ابراہیم! حقیقت یہ ہے کہ ہم تیری جدائی سے (انتہائی) غمگین ہیں''۔

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ اشک بار ہو گئے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا: اے رسول اللہ! آپ بھی روتے ہیں؟ کیا آپؐ نے رونے سے منع نہیں فرمایا؟ تب آپؐ نے فرمایا:

((ھٰذِہٖ رَحْمَۃٌ جَعَلَھَا اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِ عِبَادِہٖ' وَاِنَّمَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَآءَ)) [2]

''یہ تو رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں ڈال دی ہے' اور اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں پر رحم فرماتے ہیں''۔

③ سوگ [3] کی مدت: کسی کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے۔ صرف خاوند کی وفات پر عورت کو چار مہینے اور دس دن سوگ کا حکم ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا یَحِلُّ لِاِمْرَاَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ' فَاِنَّھَا تُحِدُّ عَلَیْہِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا)) [4]

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی (ﷺ) انابك لمحزونون۔

۲) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی (ﷺ) یعذب المیت ببعض بکاء اھله علیه۔ و صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب البکاء علی المیت۔

۳) یعنی اظہارِ غم کے لیے زینت وغیرہ ترک کرنا۔

٤) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب احداد المرأۃ علی غیر زوجھا (نحوہ)۔ وصحیح مسلم' کتاب الطلاق' باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ وتحریمه فی غیر ذلك الا ثلاثۃ ایام۔

''اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے' سوائے خاوند کے' اس پر وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے''۔

④ میت کے قرض کی ادائیگی: اگر وفات کے وقت میت پر کسی کا قرض ہو تو جلد از جلد قرض ادا کر دینا چاہیے۔ جناب رسول اللہ ﷺ مقروض کا جنازہ اس وقت تک نہیں پڑھاتے تھے جب تک اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَیْنِهٖ حَتّٰی یُقْضٰی عَنْهُ)) (۱)

''مؤمن کی جان اس کے قرض کی وجہ سے معلق رہتی ہے حتیٰ کہ اس کی ادائیگی ہو جائے۔''

⑤ صبر' اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنا اور دعا کرنا: میت کے اقارب کو اس موقع پر خاص طور پر صبر سے کام لینا چاہیے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی)) (۲)

''صبر تو اوّلین صدمہ کے وقت ہی ہوتا ہے۔''

اس کے علاوہ بکثرت اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنا اور دعا کرنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ تُصِیْبُهٗ مُصِیْبَةٌ فَیَقُوْلُ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلِفْ لِیْ خَیْرًا مِنْهَا اِلَّا آجَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مُصِیْبَتِهٖ وَاَخْلَفَ لَهٗ خَیْرًا مِنْهَا)) (۳)

''جس بندے کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ کہتا ہے: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلِفْ لِیْ خَیْرًا مِنْهَا (ہم سب اللہ ہی کے ہیں' اور اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر بدل عنایت فرما) تو اللہ تعالیٰ اُسے اس مصیبت پر اجر عطا فرماتا

---

۱) جامع الترمذی' کتاب الجنائز' باب ما جاء عن النبی ﷺ انه قال :((نفس المؤمن معلقة بدینه حتی یقضی عنه))

۲) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب الصبر عند الصدمة الاولی۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب فی الصبر علی المصیبة عند الصدمة الاولی۔

۳) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب ما یقال عند المصیبة۔

ہے اور اس کا نعم البدل مہیا فرماتا ہے۔''

اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى : مَا لِعَبْدِى الْمُؤْمِنِ عِنْدِىْ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ اِلَّا الْجَنَّةُ)) (۱)

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے مؤمن بندے کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی جزا نہیں' جب میں دنیا والوں میں اس کا پیارا قبض کرلوں اور وہ ثواب کی نیت سے صبر کرے۔''

⑥ **میت کو غسل دینا:** جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے —— خواہ بچہ ہو یا بڑی عمر کا انسان —— اسے غسل دینا واجب ہے' خواہ اس کا مکمل جسم موجود ہو یا جسم کا کچھ حصہ موجود ہو۔ البتہ جو مسلمان میدانِ جنگ میں کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو جائے' اسے غسل نہیں دیا جاتا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُغَسِّلُوْهُمْ فَاِنَّ كُلَّ جُرْحٍ اَوْ كُلَّ دَمٍ يَفُوْحُ مِسْكًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۲)

''انہیں غسل نہ دو' قیامت کے دن ان کا ہر زخم یا ہر خون کستوری کی سی خوشبو سے مہک رہا ہوگا۔''

⑦ **غسلِ میت کا طریقہ:** اگر میت کے جسم پر اس طرح پانی بہا دیا جائے کہ جسم کے ہر حصہ تک پانی پہنچ جائے تو غسل کا فرض ادا ہو جائے گا۔ البتہ اس کا مستحب طریقہ مکمل طور پر اس طرح ہے کہ: میت کو کسی بلند چیز (چارپائی یا لکڑی کے تختہ وغیرہ) پر لٹایا جائے' اور کوئی قابل اعتماد نیک آدمی اسے غسل دے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے: ((لِيُغَسِّلْ مَوْتَاكُمُ الْمَاْمُوْنُوْنَ)) (۳) ''تمہارے فوت ہونے والوں کو قابل اعتماد لوگ غسل دیں۔'' غسل دینے والا میت کے پیٹ کو نرمی سے دبائے تاکہ اگر پیٹ سے کچھ نکلنا ہو تو نکل جائے۔ پھر ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر غسلِ میت کی نیت سے میت کو استنجا کرائے' اور اگر کوئی نجاست وغیرہ محسوس ہو تو اسے دھو ڈالے۔ پھر ہاتھ سے کپڑا اتار کر میت کو وضو کرائے' جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔ پھر باقی جسم کو غسل دیتے ہوئے جسم کے بالائی حصے سے شروع کر کے غسل مکمل

۱) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب العمل الذی یبتغی به وجه الله۔

۲) مسند احمد' ج۳' ص ۲۹۹۔ **اس کی سند صحیح ہے۔**

۳) سنن ابن ماجه' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی غسل المیت۔ **اس کی سند ضعیف ہے۔**

کرے۔ تین بار غسل دینا چاہیے۔ لیکن اگر تین بار غسل دینے سے کماحقہ' صفائی نہ ہوئی ہو تو پانچ بار غسل دے دے۔ آخری غسل میں صابن وغیرہ بھی استعمال کرے۔

عورت کو غسل دیتے ہوئے اس کے گوندھے ہوئے بال کھول کر دھوئے جائیں اور پھر گوندھ دیے جائیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے غسل دینے والی خواتین کو اسی طرح حکم دیا تھا۔[۱] اس کے بعد میت کو خوشبو وغیرہ لگا دی جائے۔

⑧ میت کا تیمّم: اگر میت کو غسل دینے کے لیے پانی دستیاب نہ ہو' یا میت مرد ہو اور اس کو غسل دینے کے لیے کوئی مرد نہ ملے' یا اسی طرح فوت ہونے والی عورت کو غسل دینے کے لیے کوئی عورت موجود نہ ہو' تو میت کو تیمّم کرا کے کفن پہنا دیا جائے۔ پھر اس کا جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے۔ مجبوری کی وجہ سے یہ تیمّم ہی غسل کا قائم مقام ہو جائے گا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے جنبی اگر کسی وجہ سے غسل نہ کر سکتا ہو تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لیتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا مَاتَتِ الْمَرْاَۃُ مَعَ رِجَالٍ لَیْسَ مَعَھُمْ اِمْرَاَۃٌ غَیْرُھَا وَالرَّجُلُ مَعَ النِّسَاءِ لَیْسَ مَعَھُنَّ رَجُلٌ غَیْرُہٗ فَاِنَّھُمَا یُیَمَّمَانِ وَیُدْفَنَانِ))[۲]

''جب کوئی عورت فوت ہو جائے اور اس کے ساتھ صرف مرد ہوں' کوئی دوسری عورت نہ ہو' اسی طرح اگر عورتوں میں کوئی مرد فوت ہو جائے اور دوسرا مرد موجود نہ ہو' تو ان دونوں کو (یعنی اس طرح فوت ہونے والے مرد یا عورت کو) تیمّم کرایا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا۔''

اس میت کی حیثیت اس انسان کی سی ہے جسے غسل کے لیے پانی میسر نہ ہو۔

⑨ میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینا: مرد کے لیے اپنی بیوی کو غسل دینا جائز ہے۔ اسی طرح بیوی بھی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: ''اگر تم فوت ہو جاؤ گی تو میں تمہیں غسل دوں گا اور کفن

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب نقض شعر المرأۃ وباب یلقی شعر المرأۃ خلفھا ثلاثۃ قرون۔ (اس حدیث میں یہ بیان نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ سب کام حضور علیہ السلام کی موجودگی میں ہوا لہٰذا تین لٹیں بنا کر پیچھے ڈالنے کا مسئلہ ثابت ہو گیا)۔

۲) ابوداؤد نے اسے ''مراسیل'' میں روایت کیا ہے۔ تاہم اکثر فقہاء کا عمل اسی پر ہے۔

پہناؤں گا۔‘‘ (۱) جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا تھا۔‘‘ (۲)

عورت کے لیے جائز ہے کہ چھ سال یا اس سے کم عمر کے بچے کو غسل دے دے۔ البتہ علماء نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ مرد کم سن بچی کو غسل دے۔

⑩ **میت کو کفن پہنانا:** میت کو غسل دینے کے بعد اسے کفن پہنانا واجب ہے۔ کفن کا کپڑا اتنا ہونا چاہیے جس سے میت کا پورا جسم چھپ جائے۔ جنگ اُحد میں جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو انہیں ایک مختصر سی چادر میں کفن دیا گیا' جس سے ان کا پورا جسم نہیں ڈھانپا جا سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اس چادر سے شہید کے سر اور بدن کو ڈھانپ دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔ (۳) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کا پورا جسم ڈھانپنا فرض ہے۔

⑪ **کفن سفید اور صاف ستھرا ہونا چاہیے:** کفن کا کپڑا سفید اور صاف ہونا مستحب ہے' خواہ نیا کپڑا ہو یا پرانا۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ)) (٤)

''سفید کپڑے پہنا کرو' یہ تمہارے بہترین کپڑوں میں شامل ہیں' اور اپنے مُردوں کو ان کپڑوں میں کفن دو۔''

اسی طرح کفن کو عود کی خوشبو دینا بھی مستحب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

۱) سنن ابن ماجه' كتاب الجنائز' باب ما جاء فى غسل الرجل امرأته وغسل المرأة زوجها۔ وسنن النسائى۔ ومسند احمد' ج٦' ص ٢٢٨۔ **شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔**

۲) سنن البيهقى ' كتاب الجنائز' باب الرجل يغسل امرأته اذا ماتت۔ ومستدرك حاكم' كتاب معرفة الصحابة ذكر وفاة فاطمة رضی اللہ عنہا والاختلاف فى دفنها۔ **اس کی سند حسن ہے۔**

۳) صحيح البخارى' كتاب الجنائز' باب اذا لم يجد كفنا الا ما يوارى رأسه وقدميه غُطّى به رأسه۔

٤) جامع الترمذى' كتاب الجنائز' باب ما يستحب من الاكفان۔ **امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔**

((اِذَا اَجُمَرُتُمُ الُمَیِّتَ فَاَجُمِرُوْهُ ثَلاثًا)) (۱)

''جب تم میت کو خوشبو کی دُھونی دو تو تین بار دو۔''

یہ بھی مستحب ہے کہ مرد کے کفن کے لیے تین چادریں استعمال کی جائیں اور عورت کے لیے پانچ۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو تین سفید نئے سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا' جن میں قمیض یا عمامہ نہیں تھا۔ (۲) البتہ اگر کوئی مرد احرام کی حالت میں فوت ہو جائے تو اسے احرام کی دو چادروں میں ہی کفنانا چاہیے۔ اسے خوشبو بھی نہ لگائی جائے اور اس کا سر نہ ڈھانپا جائے' بلکہ اسے احرام ہی کی حالت میں دفن کیا جائے۔ عرفہ کے دن ایک حاجی کا اپنی سواری سے گر کر انتقال ہو گیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِغُسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَکَفِّنُوْهُ فِیُ ثَوُبَیُنِ وَلَا تُحَنِّطُوْهُ وَلَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهٗ فَاِنَّهٗ یُبُعَثُ یَوُمَ الُقِیَامَةِ مُلَبِّیًا)) (۳)

''اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو' اور دو کپڑوں ہی میں کفناؤ۔ اسے خوشبو نہ لگانا' اور اس کا سر نہ ڈھانپنا' کیونکہ وہ قیامت کے دن لبیک پکارتا ہوا اٹھے گا۔''

⑫ ریشم کا کفن: مسلمان مرد کے کفن میں ریشمی کپڑا شامل کرنا حرام ہے۔ چونکہ مردوں کے لیے ریشم کا کپڑا پہننا حرام ہے' لہٰذا اس میں انہیں کفن دینا بھی حرام ہے۔ مسلمان عورت کے لیے زندگی میں ریشم پہننا حلال ہے' لیکن اس کے کفن میں بھی ریشمی کپڑا استعمال کرنا مکروہ ہے' کیونکہ اس میں فضول خرچی ہے اور قیمتی کفن کا استعمال ہے' اور شریعت میں یہ دونوں کام منع ہیں۔ حدیث میں ہے:

((لَا تَغَالَوُا بِالُکَفَنِ فَاِنَّهٗ یُسُلَبُهٗ سَلُبًا سَرِیُعًا)) (٤)

''مہنگا کفن نہ پہناؤ' کیونکہ یہ تو جلد ہی چھین لیا جاتا ہے۔''

---

۱) مسند احمد' ج۳' ص ۳۳۱۔ ومستدرک حاکم' کتاب الجنائز' باب اذا اجمرتم المیت فاوتروا۔ **امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس روایت میں ''تین'' کے بجائے ''طاق'' ہے۔**

۲) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب الثیاب البیض للکفن ۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب کفن المیت۔ **(صحیحین کی اس روایت میں ''نئے'' کا لفظ نہیں ہے)**

۳) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب الکفن فی ثوبین۔ وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب ما یفعل بالمحرم اذا مات۔

٤) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب کراهیة المغالاة فی الکفن۔ **اس کی سند میں کلام ہے۔**

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''میت کی نسبت زندہ آدمی نیا کپڑا پہننے کا زیادہ حق رکھتا ہے' کفن تو (مردہ کے جسم سے خارج ہونے والی) پیپ وغیرہ کے لیے ہی ہوتا ہے۔'' (۱)

⑬ جنازہ پڑھنا: مسلمان کی وفات پر جس طرح اسے غسل اور کفن دفن دینا فرضِ کفایہ ہے' اسی طرح اس کی نماز جنازہ ادا کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ مسلمان جنازہ پڑھ لیں تو دوسرے افراد پر لازم نہیں رہتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فوت ہونے والوں کا جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ اگر کوئی مسلمان مقروض ہوتا تو حضور علیہ السلام اس کا جنازہ پڑھنے سے اجتناب فرماتے تھے' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہہ دیتے: ''اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔'' بعد میں آنحضرت ﷺ نے ایسے مقروض حضرات کا قرض خود ادا کرنا شروع کر دیا تھا جن کا ترکہ اتنا کم ہوتا کہ اس سے قرض ادا نہ ہو سکتا۔

⑭ نماز جنازہ کے لیے شرطیں: جنازہ کی نماز کے لیے بھی وہی شرطیں ہیں جو دوسری نمازوں میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں' مثلاً نجاست سے پاک ہونا' باوضو ہونا' ستر عورت اور قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کا نام نماز رکھا ہے۔ اور فرمایا:

((صَلُّوا عَلٰی صَاحِبِکُمْ)) (۲)

''اپنے ساتھی پر نماز پڑھو۔''

اس لیے اس نماز کے لیے بھی وہی شرطیں ہوں گی جو دوسری نمازوں کے لیے ہوتی ہیں۔

⑮ نماز جنازہ کے فرض: نماز جنازہ میں مندرجہ ذیل اعمال فرض ہیں: جو کھڑا ہو سکتا ہو اس کے لیے کھڑا ہونا فرض ہے۔ اسی طرح نیت کرنا بھی فرض ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ)) (۳)

''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

اور سورۃ الفاتحہ پڑھنا یا اللہ کی حمد و ثناء کرنا' نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا' چار تکبیریں کہنا'

۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب موت یوم الاثنین۔

۲) صحیح البخاری' کتاب النفقات' باب قول النبی (ﷺ) من ترک کلا اوضیاعا فالیّ۔

۳) صحیح البخاری' کتاب بدء الوحی' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

دعائیں پڑھنا اور سلام پھیرنا۔

⑯ **نماز جنازہ کا طریقہ:** میت یا میتوں کو قبلہ کی طرف رکھا جائے۔ امام کھڑا ہو جائے اور نمازی اس کے پیچھے تین یا تین سے زیادہ صفیں بنالیں۔ کیونکہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیْہِ ثَلَاثَۃُ صُفُوْفٍ فَقَدْ اَوْجَبَ)) (۱)

''جس کا تین صفوں نے جنازہ پڑھا اس کے لیے (جنت) واجب ہوگئی۔''

پھر میت یا میتوں کی نماز جنازہ کی نیت سے ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہے' پھر سورۃ الفاتحہ پڑھے یا اللہ کی حمد وثنا کرے' پھر اللہ اکبر کہے اور تکبیر کہتے ہوئے اگر چاہے تو رفع الیدین کرے یا سینے پر ہی بائیں پر دایاں ہاتھ بندھا رہنے دے' اور درود ابراہیمی پڑھے' پھر تکبیر کہہ کر میت کے لیے دعا کرے' پھر (چوتھی) تکبیر کہے۔ اور اس کے بعد چاہے تو دعائیں پڑھ کر سلام پھیر دے اور چاہے تو چوتھی تکبیر کہتے ہی ایک سلام کہہ کر فارغ ہو جائے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے' پھر پہلی تکبیر کے بعد سری طور پر سورۃ الفاتحہ پڑھے' پھر (بعد کی) تکبیروں میں نبیﷺ پر درود پڑھے اور میت کے لیے خلوص سے دعا کرے۔ ان تکبیرات میں قرآن نہ پڑھے۔ پھر سری طور پر سلام پھیر دے۔'' (۲)

⑰ **اگر نماز جنازہ کی کچھ تکبیریں رہ جائیں:** اگر مقتدی بعض تکبیروں میں امام کے ساتھ شریک نہ ہو سکا ہو تو اسے اختیار ہے چاہے چھوٹی ہوئی تکبیریں بعد میں کہہ لے' اور چاہے تو انہیں چھوڑ کر امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دے۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے جناب رسول اللہﷺ سے سوال کیا کہ بعض اوقات آواز نہیں پہنچتی اور کسی کسی تکبیر کا پتہ ہی نہیں چلتا' تو اس کا کیا حکم ہے؟ آنحضرتﷺ نے فرمایا:

((مَا سَمِعْتِ فَکَبِّرِیْ وَمَا فَاتَکِ فَلَا قَضَاءَ عَلَیْکِ))

''جو تم سن لو وہ تکبیر کہہ لو' اور جو تم سے رہ جائے اس کی کوئی قضا تمہارے ذمہ نہیں ہے۔''

---

۱) جامع الترمذی' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی الصلاۃ علی الجنازۃ والشفاعۃ للمیت۔ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

۲) شافعی۔ حافظ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

المغنی کے مصنف نے اس روایت سے استدلال کیا ہے لیکن مجھے اس کا حوالہ نہیں مل سکا۔

⑱ جسے نماز پڑھے بغیر دفن کر دیا جائے: اگر میت کو دفن کر دیا گیا ہو اور اس کا جنازہ نہیں پڑھایا گیا ہو تو دفن کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر جنازہ پڑھ لیا جائے۔ ایک صحابیہؓ مسجد کی صفائی کیا کرتی تھیں۔ وہ فوت ہو گئیں تو حضور علیہ السلام نے ان کے دفن کے بعد ان کا جنازہ پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی جنازہ پڑھا۔(۱)

اسی طرح نماز جنازہ غائبانہ بھی درست ہے اگرچہ میت سے بہت فاصلے پر ہی ہو۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نجاشیؒ کا غائبانہ جنازہ پڑھا تھا' حالانکہ وہ حبشہ میں تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں تھے۔(۲)

⑲ دعا کے الفاظ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کی بہت سی دعائیں مروی ہیں۔ ان میں سے کوئی سی دعا پڑھ لی جائے تو کافی ہے۔ ایک دعا کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِکَ وَحَبْلِ جِوَارِکَ ' فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ' وَاَنْتَ اَھْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ. اَللّٰھُمَّ فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا وَحَاضِرِنَا وَغَائِبِنَا' اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ' وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ. اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ(۳)

''اے اللہ! فلاں شخص تیری حفاظت اور تیری پناہ میں ہے' اسے قبر کی آزمائش اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ تو صاحب وفا و حق ہے۔ اے اللہ! اسے بخش دے اور اس پر رحم کر۔ یقیناً تو ہی بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ! ہمارے زندوں' مردوں' چھوٹوں' بڑوں' مردوں' عورتوں' حاضر اور غیر موجود سب کو بخش دے۔ اے اللہ! ہم

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب الصلاۃ علی القبر بعد ما یُدفن۔

۲) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب الرجل ینعی الی اھل المیت بنفسه۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب فی التکبیر علی الجنازۃ۔

۳) **یہ سب دعائیں ایک ہی حدیث میں نہیں بلکہ مختلف حدیثوں میں وارد ہیں۔ دیکھئے:** سنن ابی داؤد' کتاب الجنائز' باب الدعاء للمیت۔ وجامع الترمذی' کتاب الجنائز' باب ما یقول فی الصلاۃ علی المیت۔ وسنن ابن ماجه' کتاب الجنائز' باب الدعاء فی الصلاۃ علی الجنازۃ۔

میں سے جسے تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے وفات دے اسے ایمان پر فوت کر۔ اے اللہ! ہمیں اس (کی نماز جنازہ اور اس کی وفات پر صبر) کے ثواب سے محروم نہ فرما' اور اس کے چلے جانے کے بعد ہمیں ہدایت سے محروم نہ کر دینا۔''

بچے کا جنازہ پڑھتے ہوئے یوں دعا کی جائے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لِوَالِدَيْهِ سَلَفًا وَّذُخْرًا وَفَرَطًا، وَثَقِّلْ بِهٖ مَوَازِيْنَهُمْ ، وَاَعْظِمْ بِهٖ اُجُوْرَهُمْ، وَلَا تَحْرِمْنَا وَاِيَّاهُمْ اَجْرَهٗ، وَلَا تَفْتِنَّا وَاِيَّاهُمْ بَعْدَهٗ. اَللّٰهُمَّ اَلْحِقْهُ بِصَالِحِ سَلَفِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ كَفَالَةِ اِبْرَاهِيْمَ. وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ، وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ، وَعَافِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ. [1]

''اے اللہ! اسے اپنے والدین کے لیے آگے جانے والا' اور ذخیرہ اور پیش رو بنا دے' اور اس کے ساتھ ان کے (نیکیوں کے) وزن زیادہ کر دے' اور انہیں اس کی وجہ سے اجر عظیم عطا فرما' اور اس کے ثواب سے نہ ہمیں محروم فرما نہ انہیں' اور اس کے بعد نہ ہمیں آزمائش میں ڈال اور نہ انہیں۔ اے اللہ! اسے ان آگے چلے جانے والے نیک مؤمن افراد سے ملا دے جو ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ہیں' اسے اس کے گھر کے عوض بہتر گھر اور کنبہ کے عوض بہتر کنبہ نصیب فرما' اور اسے قبر کی آزمائش سے اور جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔''

⑳ جنازہ کے ساتھ جانا اور اس کی فضیلت: جنازہ کے ساتھ قبرستان تک جانا سنت ہے۔ اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

((عُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَامْشُوْا مَعَ الْجَنَازَةِ تُذَكِّرْكُمُ الْآخِرَةَ)) [2]

''مریض کی بیمار پرسی کرو اور جنازہ کے ساتھ چلو' اس سے تمہیں آخرت کی یاد

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قراء ة فاتحة الکتاب علی الجنازة۔ (ترجمة الباب میں پہلا جملہ مذکور ہے)۔

۲) علامہ البانی نے فرمایا: ''یہ حدیث ابویعلیٰ نے مسند میں (۱/۸۴)' بخاری نے الادب المفرد میں (۵۱۸)' ابن حبان نے اپنی صحیح میں (۷۰۹)' ابن مبارک نے الزہد میں (۲۴۸) اور بغوی نے شرح السنة میں (۱/۱۶۶/۱) روایت کی ہے۔'' البانی فرماتے ہیں: ''میں کہتا ہوں اس کی اسناد حسن ہیں۔'' (دیکھئے سلسلہ احادیث صحیحہ' ج ۴' ص ۶۳۶)

آئے گی۔"

اسے جلدی قبر تک پہنچانا بھی مسنون ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا' وَاِنْ يَكُ سِوٰى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ))(١)

"جنازہ کے ساتھ جلدی کرو' اگر وہ نیک ہے تو تم اسے بھلائی کی طرف لے جا رہے ہو اور اگر دوسری کیفیت ہے تو تم اپنی گردنوں سے ایک برا بوجھ اتار رہے ہو۔"

جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے اس کے آگے آگے چلنا مستحب ہے' کیونکہ نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی جنازے کے آگے چلا کرتے تھے۔(٢)

جنازہ کے ساتھ چلنے کی فضیلت کے متعلق جنابِ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ الْمُسْلِمِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا' فَاِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ ' كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ' وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ))(٣)

"جو شخص ایمان رکھتے ہوئے ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازہ کے پیچھے چلا اور اس کی نماز جنازہ پڑھ کر دفن سے فراغت تک اس کے ساتھ رہا' وہ دو قیراط ثواب لے کر واپس آتا ہے اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔ اور جس نے نماز جنازہ ادا کی' پھر دفن سے پہلے چلا آیا وہ ایک قیراط لے کر واپس آتا ہے۔"

(٢١) جنازہ کے ساتھ جانے میں مکروہ عمل: میت کے ساتھ عورتوں کا قبرستان جانا مکروہ ہے۔ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ہمیں جنازہ کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا' لیکن اس کام سے سختی سے نہیں روکا گیا۔"(٤) میت کو لے جاتے ہوئے بلند آواز سے

---

١) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب السرعة بالجنازة۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب الاسراع بالجنائز۔

٢) سنن ابی داؤد' کتاب الجنائز' باب المشی امام الجنازة۔ وجامع الترمذی' باب ما جاء فی المشی امام الجنازة۔ **اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ میت کو قبرستان لے جاتے ہوئے اس کے آگے چلنا افضل ہے۔**

٣) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب اتباع الجنائز من الایمان۔

٤) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب نهی النساء عن اتباع الجنائز۔

ذکر کرنا یا تلاوت وغیرہ کرنا بھی مکروہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین مواقع پر آواز بلند کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ جنازہ لے جاتے ہوئے' اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اور جہاد میں لڑائی کے وقت۔[1]

میت کی چارپائی زمین پر رکھنے سے پہلے ساتھ آنے والوں کا بیٹھ جانا بھی مکروہ ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے:

((اِذَا اتَّبَعْتُمْ جَنَازَةً فَلَا تَجْلِسُوْا حَتّٰى تُوْضَعَ)) [2]

''جب تم کسی جنازہ کے ساتھ جاؤ تو اس وقت تک نہ بیٹھو جب تک اسے (زمین پر) نہ رکھ دیا جائے۔''

(۲۲) تدفین: میت کو دفن کرنا —— یعنی اس کے پورے جسم کو مٹی میں چھپا دینا ——[3] فرضِ کفایہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾﴾ (عبس)

''(اللہ کا انسان پر یہ بھی احسان ہے کہ) پھر اُس نے اسے موت دی' پھر قبر دی۔''

دفن کے بعض ضروری مسائل درج ذیل ہیں:

۱) قبر اتنی گہری کھودی جائے کہ درندے اور پرندے میت کے جسم تک نہ پہنچ سکیں' اور قبر سے کسی قسم کی بو نکل کر دوسروں کو پریشان نہ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِحْفِرُوْا وَاَعْمِقُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفِنُوا الِاثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ)) [4]

''کھودو اور گہری کرو' اور اچھی طرح تیار کرو' اور دو دو تین تین (شہیدوں) کو ایک ایک قبر میں دفن کرو۔''

---

۱) اس حدیث کو ابن منذر نے حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۲) صحیح البخاری۔ و صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب القیام للجنازة۔

۳) اگر سمندری سفر کے دوران کوئی فوت ہو جائے تو اگر ایک دو دن کے انتظار سے اس کے جسم میں تغیر کا خطرہ نہ ہو تو اسے خشکی پر لا کر دفن کیا جائے' لیکن اگر اتنی جلدی خشکی پر پہنچنا ممکن نہ ہو اور حالت خراب ہو جانے کا خطرہ ہو تو اسے غسل دے کر جنازہ پڑھا کر اس کے ساتھ کوئی بھاری چیز باندھ کر سمندر میں چھوڑ دیا جائے۔ علمائے اُمت کا یہی فتویٰ ہے۔

٤) جامع الترمذی' کتاب الجهاد' باب ما جاء فی دفن الشهداء۔ (اس میں ''گہری'' کی جگہ ''کھلی'' کا لفظ ہے)۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''(ان میں سے) کسے آگے رکھیں؟'' ارشاد ہوا:

((قَدِّمُوْا اَکْثَرَھُمْ قُرْآنًا))

''جسے قرآن زیادہ یاد ہے اسے آگے رکھو۔''

۲) ''لحد'' کے طریقے سے قبر بنانا افضل ہے اور ''شق'' جائز ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَیْرِنَا)) (۱)

''ہمارے لیے لحد ہے اور دوسروں کے لیے شق۔''

لحد کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں دائیں جانب کھود کر جگہ بنائی جائے۔ اور شق کا مطلب یہ ہے کہ قبر کے درمیان میں کھود کر میت کے لیے جگہ بنائی جائے۔

۳) دفن کے وقت جو لوگ حاضر ہوں' ان کے لیے مستحب ہے کہ ہاتھ سے مٹی کی تین تین لپیں قبر میں ڈالیں اور سر کی جانب سے شروع کریں۔ ابن ماجہ نے قابل قبول سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل روایت کیا ہے۔

۴) اگر آسانی سے ہو سکے تو میت کو پائنتی کی جانب سے قبر میں داخل کیا جائے اور اسے دائیں پہلو پر قبلہ رُخ لٹا دیا جائے۔ اس کے کفن کے بند کھول دیے جائیں' اور قبر میں میت کو رکھنے والا یوں کہے: بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ (اللہ کے نام سے' اور اللہ کے رسول کی ملت کے مطابق اسے قبر میں اتارتا ہوں)۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا۔ (۲)

۵) عورت کی میت کو قبر میں اُتارتے وقت قبر پر کپڑے سے پردہ کیا جائے۔ سلف صالحین میت کو قبر میں اتارتے وقت عورت کی قبر پر پردہ کرتے تھے' مرد کی قبر پر نہیں۔

۳) دفن کے بعد

① میت کے لیے دعا: جو لوگ دفن کے موقع پر حاضر ہوں' ان کے لیے مستحب ہے

۱) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب فی اللحد ۔ وسنن النسائی' کتاب الجنائز' باب اللحد والشق۔ وجامع الترمذی' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللحد لنا والشق لغیرنا۔ **اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے تاہم بعض محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔**

۲) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب الدعاء للمیت اذا وضع فی قبرہ۔ **اس حدیث میں یہ لفظ ہیں:** بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ۔ ومستدرک حاکم' کتاب الجنائز' باب اذا وضعتم موتاکم علی قبورکم فقولوا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ **امام حاکم نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔**

کہ میت کے لیے دعائے مغفرت کریں اور دعا کریں کہ فرشتوں کے سوالات کے وقت اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی نصیب فرمائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((اِسۡتَغۡفِرُوۡا لِاَخِیۡکُمۡ وَسَلُوۡا لَهُ بِالتَّثۡبِیۡتِ فَاِنَّهُ الۡآنَ یُسۡأَلُ)) (۱)

''اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کرو اور (اللہ سے) اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو' کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیے جا رہے ہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد دفن سے فارغ ہو کر فرمایا تھا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (۲) اس وقت اس طرح دعا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبۡدُکَ نَزَلَ بِکَ، وَاَنۡتَ خَیۡرُ مَنۡزُوۡلٍ بِهٖ، فَاغۡفِرۡلَهٗ وَوَسِّعۡ مُدۡخَلَهٗ)) (۳)

''اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے' تیرے پاس آ گیا ہے اور تو بہترین مہمان نواز ہے۔ تو اسے بخش دے' اور اس کے داخل کیے جانے کی جگہ (قبر) فراخ کر دے۔''

② **قبر کو ہموار اور برابر کرنا:** قبر کو زمین کے برابر کر دینا چاہیے' کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبر کو ہموار کرنے کا حکم دیا ہے۔ (٤) البتہ قبر کو کوہان کی سی شکل میں ایک بالشت بلند کرنا جائز ہے۔ اکثر علماء نے اسے مستحب قرار دیا ہے' کیونکہ نبی ﷺ کی قبر کوہان نما تھی۔

قبر پر پہچان کے لیے کوئی پتھر وغیرہ رکھ دینا جائز ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کی پہچان کے لیے ایک بڑا پتھر وہاں رکھا تھا۔ اور فرمایا تھا:

((اَتَعَلَّمُ بِهَا قَبۡرَ اَخِیۡ، وَاَدۡفِنُ اِلَیۡهِ مَنۡ مَّاتَ مِنۡ اَهۡلِیۡ)) (۵)

''اس سے میں اپنے بھائی کی قبر پہچان لوں گا' اور میرے اہل کے جو افراد فوت ہوں گے اس کے قریب دفن کروں گا۔''

③ **قبر پختہ بنانا اور اس پر عمارت بنانا (حرام ہے):** قبر کو پختہ اور چونہ گچ کرنا

---

۱) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف۔

۲) مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما۔

۳) سنن ابن ماجه۔ اس کی سند حسن ہے۔

٤) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب الامر بتسویة القبر (اس میں ''برابر کرنے'' کا لفظ ہے ''زمین کے برابر کرنے'' کا لفظ نہیں۔)

۵) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب فی جمع الموتیٰ فی قبر والقبر یُعلم۔

حرام ہے۔ اسی طرح قبر پر کچھ تعمیر کرنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے قبر کو چونہ گچ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

④ **قبر پر بیٹھنا:** مسلمان بھائی کی قبر پر بیٹھنا یا اس پر پاؤں رکھنا مکروہ ہے' کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَا تَجلِسُوا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا))[2]

''قبروں پر مت بیٹھو' اور ان کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو۔''

نیز فرمایا:

((لَاَنْ یَجْلِسَ اَحَدُکُمْ عَلٰی جَمْرَۃٍ فَتُحْرِقَ ثِیَابَہٗ فَتَخْلُصَ اِلٰی جِلْدِہٖ خَیْرٌ لَـہٗ مِنْ اَنْ یَجْلِسَ عَلٰی قَبْرٍ))[3]

''قبر پر بیٹھنے سے[4] تو اس کے لیے یہ بہتر ہے کہ کوئی شخص آگ کے انگارے پر بیٹھ جائے جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور آگ اس کے چمڑے تک جا پہنچے۔''

⑤ **قبر پر مسجد بنانا:** قبروں پر مسجدیں تعمیر کر لینا اور چراغ جلانا حرام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ))[5]

''اللہ کے رسول ﷺ نے اُن عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں اور اُن لوگوں پر بھی جو قبروں پر مسجدیں بناتے اور چراغ جلاتے ہیں۔''

نیز حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ))[6]

---

١) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب النھی عن تجصیص القبر والبناء علیه۔

٢) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب النھی عن الجلوس علی القبر والصلاة علیه۔

٣) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب النھی عن الجلوس علی القبر والصلاة علیه۔

٤) بعض علماء نے قبر پر بیٹھنے سے قضائے حاجت کے لیے بیٹھنا مراد لیا ہے۔

٥) جامع الترمذی' کتاب الصلاۃ' باب کراھیة ان یتخذ علی القبر مسجدا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب فی زیارۃ النساء للقبور۔

٦) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ۔ وصحیح مسلم' کتاب المساجد' باب النھی عن بناء المساجد علی القبور واتخاذ الصور فیھا واتخاذ القبور مساجد۔

''اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے! انہوں نے اپنے انبیاء کرامؑ کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا ہے۔''

⑥ قبر کھولنا اور مردہ کی ہڈیوں کو نکالنا حرام ہے: قبریں کھود کر مُردوں کی ہڈیاں دوسری جگہ منتقل کر دینا یا میت کو قبر سے نکالنا حرام ہے' اِلّا یہ کہ کوئی سخت مجبوری پیش آ جائے۔ مثلاً میت کو غسل دیے بغیر دفن کر دیا گیا ہو۔ اسی طرح ایک شہر میں فوت ہونے والے کو دوسرے شہر میں لے جا کر دفن کرنا بھی مکروہ ہے۔ البتہ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ یا بیت المقدس میں دفن کے لیے لے جایا جا سکتا ہے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((اِدْفِنُوا الْقَتْلٰی فِیْ مَصَارِعِھِمْ)) (١)

''شہیدوں کو ان کے قتل ہونے کی جگہ ہی دفن کرو۔''

⑦ تعزیت مستحب ہے: میت کے گھر کے مردوں اور عورتوں سے دفن سے پہلے یا بعد میں بھی تین دن تک تعزیت کرنا مستحب ہے۔ لیکن اگر تعزیت کرنے والا اس وقت موجود نہ ہو یا دور ہو تو تین دن کے بعد بھی تعزیت کر سکتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَا مِنْ مُؤْمِنٍ یُعَزِّیْ اَخَاہُ بِمُصِیْبَةٍ اِلاَّ کَسَاہُ اللّٰہُ سُبْحَانَـہٗ مِنْ حُلَلِ الْکَرَامَةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) (٢)

''جو مؤمن کسی مصیبت کے موقع پر اپنے بھائی کو تسلی دیتا ہے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے قیامت کے دن عزت کا لباس پہنائیں گے۔''

⑧ تعزیت کا مطلب: تعزیت کا مطلب یہ ہے کہ غم زدہ کو صبر پر آمادہ کیا جائے۔ اس سے ایسی باتیں کی جائیں جن سے اس کے غم کی شدت میں کمی واقع ہو۔ تعزیت کے لیے کوئی خاص الفاظ مقرر نہیں' کسی قسم کے بھی الفاظ کے ساتھ تعزیت کی جائے تو حق ادا ہو جائے گا۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی ایک بیٹی نے آنحضرت ﷺ کو پیغام بھیجا کہ ان کا بچہ فوت ہو گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں سلام کہلا بھیجا اور اپنے پیغام میں یہ فرمایا:

((اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی ' وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی ' فَلْتَصْبِرْ

---

١) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب فی المیت یحمل من ارض الی ارض ۔ **یہ حدیث صحیح ہے۔**
وسنن النسائی' کتاب الجنائز' باب این یدفن الشھید **(یہ الفاظ نسائی کے مطابق ہیں)۔**

٢) سنن ابن ماجہ' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی ثواب من عزی مصابا۔ **اس کی سند حسن ہے۔**

وَلْتَحْتَسِبْ)) (۱)

''جو اللہ نے لے لیا ہے وہ اللہ ہی کا تھا' اور جو کچھ اس نے دیا ہے وہ بھی اسی کا ہے۔اس کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔لہٰذا صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔''

ایک بزرگ نے اپنے دوست کو اس کے بیٹے کی وفات پر اس طرح تعزیت کا خط لکھا:

''از فلاں' بنام فلاں۔السلام علیکم۔میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔امابعد! اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے' اور ہمیں بھی اور آپ کو بھی شکر نصیب کرے۔حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں' ہمارے مال اور ہمارے بچے یہ سب اللہ کے دل خوش کن عطیات ہیں۔اور (ہمارے پاس یہ سب) اس کی امانتیں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا اور آپ کو خوشی نصیب فرمائی' پھر اس نے آپ سے وہ ایک بڑے اجر کے عوض لے لیا۔اگر آپ اللہ سے ثواب کی امید رکھیں گے تو آپ کو رحمت اور ہدایت نصیب ہوگی۔اس لیے صبر کیجیے۔ایسا نہ ہو کہ بے صبری کی وجہ سے آپ کا اجر ضائع ہو جائے اور پھر آپ پچھتائیں۔یہ بات سمجھ لیجیے کہ بے صبری کرنے سے فوت ہونے والا واپس نہیں آ جایا کرتا' اور نہ اس سے غم دُور ہوتا ہے۔اور جو مصیبت آنی ہے وہ تو آنی ہی ہے۔والسلام۔''

مختصر الفاظ میں اس طرح تعزیت کر لی جائے تو وہ بھی کافی ہے: اَعْظَمَ اللّٰہُ اَجْرَکَ وَغَفَرَ لِمَیِّتِکَ (اللہ تعالیٰ آپ کو بہت اجر دے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے)۔اور جس سے تعزیت کی جا رہی ہے وہ کہے ''آمین!'' آجَرَکَ اللّٰہُ وَلَا اَرَاکَ مَکْرُوْھًا (آمین۔اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اجر دے اور آپ کو کوئی مصیبت نہ دکھلائے)۔

⑨ **میت والوں کے ہاں کھانے کی دعوت:** لوگوں نے جہالت کی وجہ سے یہ بدعت شروع کر لی ہے کہ اظہارِ افسوس کے لیے گھروں میں جمع ہوتے اور کھانے کی دعوتیں کرتے ہیں۔فخر کے طور پر اور ناک اونچی کرنے کے لیے بہت خرچ کرتے ہیں۔اس بدعت کو ترک کرنا اور اس سے دُور رہنا ضروری ہے۔کیونکہ سلف صالحین گھروں میں اجتماع نہیں

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی (ﷺ) یعذب المیت ببعض بکاء اھله علیه وما یُرَخَّص من البکاءِ من غیر نَوح۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب البکاء علی المیت۔

کرتے تھے، بلکہ وہ قبرستان میں، یا جہاں کہیں ملاقات ہو جاتی تعزیت کر لیا کرتے تھے۔ اگر قبرستان یا مسجد میں یا راہ چلتے ملاقات نہ ہو سکے تو گھر جا کر تعزیت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بدعت تو یہ ہے کہ اہتمام کے ساتھ خاص طور پر اجتماع کیا جائے۔

⑩ میت کے گھر والوں سے حسن سلوک: میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرنا مستحب ہے۔ یعنی وفات کے دن رشتہ دار اور پڑوسی میت کے گھر والوں کو کھانا کھلائیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((اِصْنَعُوْا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَاِنَّهُ قَدْ اَتَاهُمْ اَمْرٌ شَغَلَهُمْ)) (۱)

"جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ ان کو وہ (مصیبت) پہنچی ہے جس نے انہیں مشغول کر دیا ہے۔"

باقی رہی یہ رسم کہ میت کے گھر والے خود دوسروں کے لیے کھانا تیار کریں، تو یہ بہت بری بات ہے، کیونکہ اس سے ان کی مصیبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص موجود بھی ہو جسے کھانا کھلانا ضروری ہے، مثلاً دوسرے شہر سے آیا ہوا مہمان، تو بھی یہ ہمسایوں اور رشتہ داروں کا فرض ہے کہ اس مہمان کو کھانا کھلائیں، میت کے گھر والوں کا فرض نہیں۔

⑪ میت کی طرف سے صدقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: "اے اللہ کے رسولؐ! میرے والد صاحب فوت ہو گئے ہیں اور مال چھوڑ گئے ہیں اور انہوں نے وصیت نہیں کی، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔" (۲)

جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوئیں تو انہوں نے کہا: اللہ کے رسولؐ! میری والدہ فوت ہو گئی ہیں، کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "ہاں۔" انہوں نے کہا: کون سا صدقہ افضل ہے؟ ارشاد ہوا: "پانی پلانا۔" (۳)

⑫ قرآن خوانی: جائز ہے کہ مسلمان مسجد میں یا گھر میں بیٹھ کر قرآن پڑھے۔ جب

---

۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الجنائز، باب صنعة الطعام لاهل الميت۔ وجامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الطعام يصنع لاهل الميت۔ **یہ حدیث صحیح ہے۔**

۲) صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب وصول ثواب الصدقات الی المیت۔

۳) سنن النسائی، کتاب الوصایا، باب فضل الصدقة عن المیت۔ ومسند احمد۔

تلاوت کر چکے تو اللہ تعالیٰ سے اپنے اس نیک عمل یعنی تلاوت کا واسطہ دے کر میت کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے۔ لیکن فوت ہونے والے کے ہاں سب کا اکٹھا ہونا' اور پھر تلاوت کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچانا' اور پھر میت کے گھر والوں کا قراء کو اجرت دینا' یہ بہت بری بدعت ہے۔ ضروری ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور مسلمان بھائیوں کو اس سے اجتناب کرنے کی تلقین کی جائے' کیونکہ سلف صالحین کے ہاں یہ عمل موجود نہیں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین عظام اور تبع تابعین نے یہ طریقہ نہیں بتایا اور جو کام ان کے لیے دین نہیں تھا' وہ ہمارے لیے بھی کسی طرح دین نہیں بن سکتا۔

⑬ **قبروں کی زیارت:** قبروں کی زیارت مستحب ہے' کیونکہ اس سے آخرت یاد آتی ہے اور مُردوں کے لیے اللہ سے دعا کی جاتی ہے اور ان کے گناہوں کی معافی کا سوال کیا جاتا ہے۔ اس سے مُردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ' فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ)) [1]

''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' پس اب محمد (ﷺ) کو اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت عطا ہو گئی ہے' اب اِن کی زیارت کیا کرو' کیونکہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔''

لیکن اگر وہ میت اتنی دُور دفن ہو یا قبرستان اتنی دُور واقع ہو کہ زیارت کرنے والے کو اس کے لیے اہتمام سے سفر کرنا پڑے تو اس قسم کی زیارت مشروع نہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ : اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ هٰذَا وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی)) [2]

''کجاوے کس کے سفر صرف تین مسجدوں کی طرف کیا جائے: مسجد حرام' رسول ﷺ کی یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔''

---

۱) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب استئذان النبی (ﷺ) ربه فی زیارة قبر امه (نحوه)۔ وسنن الترمذی' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی الرخصة فی زیارة القبور۔ **(الفاظ سنن الترمذی کے ہیں)۔**

۲) صحیح البخاری' کتاب الجمعة' باب فضل الصلاة فی مکة والمدینة۔ وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد۔

⑭ قبرستان کی زیارت کرنے والا کیا کہے: مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کے موقع پر وہی الفاظ کہنے چاہئیں جو رسول اللہ ﷺ قبرستانِ بقیع کی زیارت کے وقت کہا کرتے تھے۔اور وہ یہ ہیں:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، اَنْتُمْ فَرَطُنَا وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُمْ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمْ)) (۱)

''اے ان گھروں والے مؤمنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو' اللہ نے چاہا تو ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں' تم ہم سے آگے چلے گئے اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں' ہم اپنے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی اللہ سے عافیت مانگتے ہیں۔ اے اللہ! ان کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! ان پر رحمت فرما۔''

⑮ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کا کیا حکم ہے: اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کا بار بار قبروں کی زیارت کے لیے جانا حرام ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ نبویؐ ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ)) (۲)

''اللہ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں کی بکثرت زیارت کرتی ہیں۔''

لیکن اگر زیارت بکثرت نہ ہو تو بھی بعض علماء نے مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے' کیونکہ حضرت عائشہ ؓ کا اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن ؓ کی قبر پر جانا ثابت ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''ہاں' حضور ﷺ نے قبروں پر جانے سے منع کیا تھا' پھر قبروں کی زیارت کا حکم دے دیا۔''(۳) جو علماء عورتوں کے لیے کبھی کبھار قبرستان جانا جائز سمجھتے ہیں وہ بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہاں کوئی غلط کام نہ کیا جائے' مثلاً نوحہ' چیخ و پکار' بے پردگی' میت کو پکارنا یا اس سے اپنی حاجت روائی کا سوال کرنا' اور اس طرح کے دوسرے کام جو دین سے ناواقف عورتیں کسی بھی زمانے میں اور کسی بھی جگہ کرتی ہوئی دیکھی جا سکتی ہیں۔

---

۱) صحیح مسلم' كتاب الجنائز' باب ما يقول عند دخول القبور والدعاء لاهلها۔

۲) صحیح البخاری وصحیح مسلم۔ **متن میں مذکور الفاظ سنن کبریٰ بیہقی کی روایت کے مطابق ہیں۔ دیکھئے** بيهقی' كتاب الجنائز' باب ما ورد فی نهيهن عن زيارة القبور۔

۳) مستدرك حاكم' كتاب الجنائز' باب زيارة النبی ﷺ قبر امه۔ **امام ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔**

حواشی

۹۰) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقول عند دخول القبور والدعاء لاھلھا۔

۹۱) صحیح البخاری وصحیح مسلم۔ **متن میں مذکور الفاظ سنن کبریٰ بیہقی کی روایت کے مطابق ہیں۔ دیکھئے** بیہقی، کتاب الجنائز، باب ما ورد فی نهیهن عن زیارة القبور۔

۹۲) مستدرك حاكم، کتاب الجنائز، باب زیارة النبی ﷺ قبر امه۔ **امام ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔**

دعوتِ فکر

حرمتِ قرآن اور عظمتِ قرآن کے چند عملی روزمرّہ پہلو

مختار حسین فاروقی

قرآن مجید بلاشبہ ایک عظیم کتاب اور اللہ کا کلام ہے' اس کی عظمت اور حرمت کے بے شمار پہلو ہیں جو انسانی زندگی کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک مسلمان چاہے بے عمل ہی کیوں نہ ہو قرآن مجید کے احترام سے خالی نہیں ہوسکتا۔

اس میں اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ اس کتاب کے ادب اور احترام کا اصل تقاضا اس کو ماننا اور پڑھنا ہے' جبکہ اس کو سمجھنا اور عمل کرنا دوسری سیڑھی ہے' اور قولاً ' فعلاً اور اجتماعی زندگی میں اس کا نمونہ دکھانا اس کا نقطۂ عروج (climax) ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان آخر انسان ہے' کوئی خودکار مشین نہیں ہے' بلکہ نسیان' کسل' کوتاہ نظری اور غفلت فطرتِ انسانی کا ایک خاصّہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسان عقلاً بہت کچھ تسلیم کرنے کے باوجود اور زبان سے قول و قرار کے باوصف بعض اوقات خواہش اور ارادہ کے علی الرغم مسلّماتِ عقلی اور فطری داعیات کے خلاف کام کرتا ہے اور سرگرمِ عمل رہتا ہے۔ اس کا علاج فاطر فطرت کے نزدیک ان بنیادی تقاضوں اور اس کے لازمی نتائج (corollaries) کا بار بار سامنے لاتے رہنا ہے۔ نمازِ پنج گانہ اور سورۃ الفاتحہ کا اعادہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس ناگزیر ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

قرآن مجید کی حرمت اور عظمت کے بعض پہلو بھی ایسے ہیں جو مسلسل کوشش میں ذرا سی کمی آتے ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور اچھے اچھے دیندار لوگ بھی اس میں خطا کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے' آمین!)

حرمتِ قرآن کے معنی یہ ہیں کہ اس کتاب قرآن مجید کے بارے میں روزمرہ زندگی میں عام کتابوں کی طرح کتاب کا تصور آپ کے کسی قول' فعل اور عمل سے نہ صرف یہ کہ ظاہر نہ ہو' بلکہ نتیجہ بھی نہ نکالا جا سکے۔ روزِمرّہ زندگی میں عظمتِ قرآن کا مفہوم' حرمتِ قرآن کے سلبی پہلوؤں سے بچتے ہوئے مثبت طور پر قولاً' فعلاً اور عملاً اس کتاب کے عظیم کتاب ہونے کا احساس پیشِ نظر رکھنا ہے۔

اس عبارت کے چند ناگزیر عملی تقاضے ہیں جو ہر مؤمن اور مسلمان سے بالعموم اور رجوع الی القرآن کے داعیان اور اس کتابِ مبین کے خادمان کی زندگی میں بالخصوص صادر ہونے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے' آمین— اور مختصراً وہ درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید ایک کتاب ہے اور یہی شکل معروف اور عام ہے' لہٰذا اس کتاب کو پڑھنے کے لیے بھی عام کتابوں کے پڑھنے کا انداز اختیار نہیں کرنا چاہیے' جیسا کہ لیٹ کر پڑھنا (یاد رہے کہ قرآن مجید کا یاد حصہ اس طرح پڑھا جا سکتا ہے)' ٹیک لگا کر پڑھنا' دورانِ مطالعہ کتاب کو ایک طرف بستر پر کھلا' زمین پر' گھاس پر اور کسی ناپاک جگہ پر رکھ دینا بھی حرمت قرآن کے تصور کو مجروح کرنے والا ہے۔ بعض لوگ نیم دراز حالت میں کوئی کتاب پڑھ رہے ہوتے ہیں' کہیں رُک کر سوچنے یا ملاقاتی سے بات کرنے کے لیے وہ اپنی دراز ٹانگوں پر کتاب کو رکھ دیتے ہیں یا الٹا رکھ دیتے ہیں' قرآن مجید کے ساتھ یہ رویہ سوءِ ادب ہے۔

(۲) میز پر' یا دراز میں' یا الماریوں میں جہاں کتابیں زیادہ ہوں تو اوپر نیچے رکھ دی جاتی ہیں' قرآن مجید کے ساتھ دوسری کتابوں (افسانوں اور ناولوں وغیرہ) کو ملا کر اس طرح رکھنا حرمتِ قرآن کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ گندی' فحش اور بے حیا تحریروں والی کتابوں کے ساتھ قرآن مجید کو رکھنا اس کی بے حرمتی ہے (یاد رہے کہ ایسے مناظر لائبریریوں اور دوسرے عام گھروں میں جہاں اسلام پر عمل کم ہوتا ہے' عام ہیں)۔ قرآن مجید کو دوسرے صاف ستھرے علوم کی کتابوں کے ساتھ رکھا جا سکتا ہے' تاہم اس میں حرمتِ قرآن کا تقاضا ہو گا کہ قرآن مجید کو سب سے اوپر رکھا جائے۔ قرآن مجید اور دینی لٹریچر میں بھی عقلاً کسی ترتیب کا ہونا لازمی ہے۔ عام طور پر مساجد میں قرآن مجید کی الماریوں میں لوگ تبلیغی نصاب اور دوسری دینی کتب کو قرآن مجید کے اوپر رکھ دیتے ہیں' یہ سوءِ ادب ہے۔

ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید' تفاسیر' احادیث کے مجموعے' تفاسیر اور احادیث کے

اردو تراجم، سیرت النبی ﷺ، سیرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر دینی معلوماتی کتب میں لحاظ کرنا ضروری ہے۔ تفاسیر اور قرآن مجید کے نسخے ہوں تو بھی خالص متنِ قرآن مجید کا سب سے اوپر ہونا لازم ہے، اس لیے کہ تفاسیر میں بہرحال کسی انسان کے الفاظ شامل ہیں جبکہ قرآن مجید صرف اللہ کا کلام ہے۔

(۳) اسی طرح بعض لوگ کرسی یا چارپائی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں، کتابیں پڑھ کر زمین، فرش یا قالین پر رکھتے جاتے ہیں، قرآن مجید کے ساتھ اس طرح کا رویہ بھی حرمتِ قرآن کے خلاف ہے۔ بعض لوگ قرآن مجید بستر پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور تکیہ مصحف کے نیچے رکھ لیتے ہیں، اس میں یقیناً کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ بستر، چادر اور تکیہ پاک ہوں۔

الغرض ایک بندۂ مؤمن کے کسی رویے اور قرآن مجید کے ساتھ کسی نسبت سے بھی عدم دلچسپی اور ہلکے پن کا احساس ظاہر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ گھر میں ہوں تو بچوں کو اور دفتر، لائبریری اور تعلیمی ادارے میں ہوں تو ساتھیوں اور دیکھنے والوں پر یہ بات واضح ہو کہ یہ آدمی اس وقت کوئی خاص کتاب پڑھ رہا ہے، یا اٹھا رہا ہے، یا اٹھائے جا رہا ہے۔

اس کے عکس کے طور پر ہمارے کسی رویے اور احترام کے تقاضے سے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور کتاب کے بارے میں کسی دیکھنے والے کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ آدمی شاید قرآن پڑھ رہا ہے یا لے جا رہا ہے (اسی لیے اتنا احترام کر رہا ہے)، حالانکہ وہ قرآن نہ ہو۔ یہ گویا کہ کسی اور (انسان) کی کتاب کو عظمت میں قرآن مجید کے برابر کرنے والی بات ہے، اعاذنا اللّٰہ من ذلك۔

(۴) قرآن مجید کی دوسری صورتیں آج کل کیسٹس (آڈیو، ویڈیو) اور سی ڈیز ہیں، ان شکلوں میں بھی ہمارے لیے قرآن مجید کا احترام لازم ہے۔ بلکہ اس اندیشے کے پیشِ نظر کہ پہلی نظر میں آڈیو کیسٹ، ویڈیو کیسٹ اور سی ڈی پر نظر ڈالنے سے ظاہر بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ قرآن مجید ہے، احترام کے تقاضے زیادہ ہیں کہ:

i) قرآن مجید کی کیسٹوں اور سی ڈیز کو نمایاں طور پر ظاہر ہونا چاہیے کہ یہ قرآن مجید ہے۔

ii) ان کیسٹوں اور سی ڈیز کو عام گانوں، قوالیوں، لطیفوں، فلموں اور ڈراموں کی کیسٹوں سے واضح فرق کے ساتھ الگ کرنا ضروری ہے۔

iii) قرآن مجید کے غلاف کی طرح قرآنی کیسٹوں اور سی ڈیز کے لیے مناسب کور یا بیگ ہونا ناگزیر ہے۔

iv) قرآن مجید کسی شکل میں بھی ہو اس کے ادب و احترام کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔قرآنی کیسٹوں اور سی ڈیز کو پاؤں کی طرف رکھنا' پھینکنا اور بے ادبی سے اِدھر اُدھر کرنا ایمان کی کمی اور عظمتِ قرآنی سے تہی دامنی کی علامت ہے۔

v) کیسٹوں اور سی ڈیز کے رکھنے اور سٹاک کرنے میں بھی قرآن مجید کا لحاظ از حد ضروری ہے اور اسے اس طرح رکھنا کہ قرآن مجید سب سے اوپر رہے' ادب کا تقاضا ہے۔

vi) سب سے اہم یہ کہ کسی قرآنی سی ڈی یا کیسٹ پر قرآن مجید مٹا کر (erase کر کے) کوئی اور چیز لکھوانا' ریکارڈ کرانا بھی شدید سوءِ ادب ہے۔

vii) جب قرآن مجید بوسیدہ ہو جائیں تو انہیں عام کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر ڈالنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔اسی طرح قرآنی کیسٹوں اور سی ڈیز کو ناقابلِ استعمال ہو جانے پر پرانے قرآنی نسخوں کی طرح شرعی طریقے سے بے حرمتی سے بچانا ایمان کا تقاضا ہے' جس کے ضمن میں آج بے حد غفلت ہو رہی ہے۔

پرانی کیسٹوں کو توڑ کر پھینک دینا یا سی ڈیز کو توڑ کر ضائع کر دینا حرمتِ قرآن کے تقاضوں کے منافی ہے۔اس ضمن میں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔قرآن مجید کی کیسٹوں اور سی ڈیز کو پرانے قرآنی نسخوں کی طرح جمع کر کے اجتماعی طور پر دریا میں ڈالنا یا دفن کرنا ضروری ہے۔oo

تفہیم دین

مُحرَّمات

(حرام اُمور' جن سے بچنا ضروری ہے)

حافظ محمد زبیر

کچھ عرصہ پہلے بعض دوستوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ قرآن وسنت میں بیان کیے گئے کبیرہ گناہوں کی ایک فہرست مرتب کر دی جائے تا کہ ان کی نشان دہی ہو سکے۔ اس حوالے سے متقدمین و متأخرین علماء نے کچھ کام کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ کتابیں عربی زبان میں ہیں جن سے صرف علماء ہی استفادہ کر سکتے ہیں اس لیے عوام الناس کے لیے اس ذخیرۂ علم کو مفید بنانے کے لیے قرآن وسنت کی روشنی میں ''مُحرَّمات'' کے عنوان سے ایک ایسی جامع فہرست بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس میں ایسے تمام کبیرہ گناہوں کا احاطہ کر لیا جائے جن کے بارے میں قرآن وسنت میں وعید آئی ہے۔ ان مُحرَّمات میں بعض گناہ تو ایسے ہیں جن کا تعلق عقائد سے ہے' جبکہ بعض کا تعلق اعمال سے ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں کھلے عام ان گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور لوگ جہالت کی بنا پر ان حرام کاموں کو جائز یا صغیرہ گناہوں کی طرح ہلکا سمجھتے ہیں' حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

''یہ (مُحرَّمات) اللہ کی حدود ہیں' ان کے قریب بھی مت جاؤ''۔

قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا۪ وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ﴿۱۴﴾﴾ (النّساء)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کردہ حدود

سے تجاوز کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کرے گا‘ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا‘ اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔‘‘

اس سلسلۂ مضامین میں ہم ایک ایک کر کے ان کبیرہ گناہوں کو بیان کریں گے۔

(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا

محرمات میں سب سے بڑا احرام فعل اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔توحید کو اختیار کرنا اور شرک سے اجتناب کرنا ہی دین کا وہ اصل الاصول ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کا کوئی عمل قابل قبول نہیں اور دین و دنیا کی کامیابی اور سعادت کا حصول بھی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ہم میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ توحید پر عامل ہو اور اپنے دامن کو ہر قسم کے شرک سے بچائے رکھے‘ لیکن اس کے باوجود وہ کسی نہ کسی نوعیت کے شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔بعض اوقات انسان اپنے آپ کو موحّد سمجھ رہا ہوتا ہے‘ حالانکہ اللہ کے ہاں اس کا شمار مشرکین میں ہوتا ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (یوسف)

’’اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں۔‘‘

یعنی بہت سے لوگ اللہ پر ایمان تو لے آتے ہیں لیکن اس کے باوجود کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی مسلمان سے شرک کا صدور ناممکن ہے‘ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی اس بارے میں ایک حدیث ہے:

((وَاِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِیَ الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ وَاِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ السَّيْفُ لَمْ يُرْفَعْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَلْحَقَ حَيٌّ مِنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِكِيْنَ وَحَتّٰى تَعْبُدَ فِئَامٌ مِّنْ اُمَّتِیَ الْاَوْثَانَ))(۱)

’’اور مجھے اپنی اُمت کے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ اُن علماء کا ہے جو لوگوں کو گمراہ کریں گے‘ اور جب ایک دفعہ ان میں تلوار اُٹھ جائے گی تو پھر قیامت تک نہ رُکے گی۔اور قیامت اُس وقت تک نہ قائم ہو گی جب تک میری اُمت کا ایک گروہ مشرکوں سے نہ جا ملے اور میری اُمت کے بہت سارے لوگ بُت پرستی نہ شروع کر دیں۔‘‘

اس شرک کو پہچاننا کتنا مشکل ہے‘ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

اَلْاِنْدَادُ ھُوَ الشِّرْکُ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ عَلٰی صَفَاۃٍ سَوْدَاءَ فِیْ ظُلْمَۃِ اللَّیْلِ(۲)

’’اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے۔ اس شرک کو پہچاننا اتنا زیادہ مشکل ہے جتنا ایک انتہائی تاریک رات میں سیاہ پتھر پر چلنے والی سیاہ چیونٹی کے رینگنے کی آواز کو محسوس کرنا مشکل ہے۔‘‘

لہٰذا اس معاملے میں ہر وقت انسان کو محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ صراطِ مستقیم کی طرف ہماری رہنمائی فرمائے اور ہمیں ایسا قلبِ سلیم اور براہیمی نظر عطا فرمائے کہ جس کے ذریعے سے ہم حق و باطل اور توحید وشرک میں امتیاز کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ شرک کی ہلاکتوں اور اقسام سے خوب اچھی طرح واقف ہو‘ تاکہ اس کے لیے اس موذی مرض سے بچنا آسان ہو سکے۔ دنیا اور آخرت میں شرک کے کیا نقصانات ہیں‘ اس بارے میں درج ذیل نصوص ملاحظہ فرمائیں۔

۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ[ثَلَاثًا])) قَالُوْا : قُلْنَا : بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ‘ قَالَ : ((اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ..))

’’کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ گناہوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟‘‘ (آپؐ نے تین بار فرمایا) صحابہؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا: ’’اللہ کے ساتھ شرک کرنا......‘‘

۲) ہر گناہ کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے معافی کا امکان ہے‘ لیکن شرک کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا واضح فرمان قرآن حکیم میں موجود ہے کہ وہ شرک کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط﴾ (النساء:۴۸ و ۱۱۶)

’’بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخش

دے گا جو اِس کے علاوہ (گناہ) ہیں جس کے لیے وہ چاہے گا۔''

۳) شرک کرنے سے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے' اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾(المائدۃ:۷۲)

''بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔''

۴) شرک ایسا قبیح گناہ ہے جو انسان کے تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ سورۃ الانعام میں تقریباً اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۸۸﴾﴾ (الانعام)

''اگر وہ سب (انبیاءؑ) بھی شرک کرتے تو ان سے ان کے وہ تمام اعمال ضائع ہو جاتے جو وہ کرتے تھے۔''

سورۃ الزمر میں اللہ کے رسول ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۶۵﴾﴾ (الزُّمر)

''اگر آپؐ نے بھی (بفرضِ محال) شرک کیا تو آپؐ کے بھی تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے' اور آپؐ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ہم شرک جیسے قبیح فعل کے صدور کا تصور اور گمان بھی نہیں کر سکتے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر شرک کی شناعت اور برائی کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ عام مسلمان تو کجا' بالفرض اللہ کے رسول بھی اگر شرک کر لیتے تو آپؐ کے تمام اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔

شرک کی اقسام

قرآن وسنت میں شرک کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

۱) شرکِ اکبر

شرکِ اکبر سے مراد عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے' یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا شرکِ اکبر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ......﴾ (بنی اسراءیل:۲۳)

''اور تیرے ربّ نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے......''

ہمارے معاشرے میں شرک فی العبادت کی مختلف اقسام رائج ہیں۔ہم ذیل میں ان میں سے چند ایک کا ذکر کیے دیتے ہیں:

❂ مراسم عبودیت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا: مراسمِ عبودیت سے مراد عبادت کرنے کے ظاہری انداز اور طور طریقے ہیں۔مثلاً نماز ایک عبادت ہے' اس کا ہر ہر رکن (رکوع اور سجود وغیرہ) عبادت ہے۔ چونکہ اللہ کے بغیر کسی اور کی عبادت کرنا شرک ہے' اس لیے اللہ کے سوا کسی کے سامنے رکوع کے برابر جھکنا یا سجدہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ارۡکَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا وَاعۡبُدُوۡا رَبَّـکُمۡ...﴾ (الحج:۷۷)

''اے ایمان والو! اپنے رب کے لیے رکوع' سجدہ اور عبادت کرو......''

اہل سنت کے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا حرام ہے۔اولیاء اللہ کی قبروں یا مزاروں پر جا کر سجدے کرنا' کسی عالم' فقیہہ' حکمران' پیر' مذہبی یا سیاسی لیڈر کی تصویر یا ملکی پرچم کو سلامی دینے کی غرض سے اس کے سامنے تعظیماً رکوع کے برابر یا اس سے زیادہ جھکنا حرام ہے۔اسی طرح ''قنوت'' یعنی تذلل و عاجزی کے ساتھ اللہ کے سوا کسی کے حضور دست بستہ کھڑے ہونا بھی حرام ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ﴿۲۳۸﴾﴾ (البقرۃ) ''اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے۔'' ہمارے ہاں بعض لوگ جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ان پر فوراً ہی شرک کا فتویٰ لگانے کے بجائے ان کو سمجھانا چاہیے۔

❂ اللہ کے علاوہ کسی اور سے دُعا کرنا: اللہ کے علاوہ کسی اور سے دعا کرنا تا کہ وہ اس کی حاجات کو پورا کرے' اسے رزق فراہم کرے اور اس کی مشکلات کو دُور کرے' شرک ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَـہٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰـمَۃِ وَھُمۡ عَنۡ دُعَآئِھِمۡ غٰفِلُوۡنَ﴿۵﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوۡا لَھُمۡ اَعۡدَآءً وَّکَانُوۡا بِعِبَادَتِھِمۡ کٰـفِرِیۡنَ﴿۶﴾﴾ (الاحقاف)

''اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو اُس کو قیامت کے

دن تک جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی دعا سے بے خبر ہیں !اور جب تمام انسان (قیامت کے دن) جمع کیے جائیں گے تو وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔''

ایک اور جگہ پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾(الاعراف:١٩٤)

''بے شک جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری طرح اللہ کے بندے ہیں۔''

متذکرہ بالا آیاتِ کریمہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی' حضرت علی ہجویری' حضرت لال شہباز قلندر' امام بری سرکار' حضرت بابا فرید گنج شکر' حضرت مادھو لال حسین رحمۃ اللہ علیہم ' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ جتنے بھی اولیاء اللہ گزرے ہیں جن سے لوگ اللہ کو چھوڑ کر فریادیں کرتے ہیں' سب کے سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں' وہ یہ قیامت کے دن اپنے پکارنے والوں کی شفاعت تو کجا' بلکہ اُن سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔اللہ کو چھوڑ کر ان ہستیوں سے رزق وغیرہ طلب کرنا شرک ہے۔ یہ بزرگ تو خود اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہر چیز مانگتے تھے اور اسی عقیدے کی اپنے مریدوں کو تعلیم دیتے تھے۔حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کا مقدمہ ہی اگر پڑھ لیا جائے تو انسان پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حضرات توحید کے کس عظیم مرتبے پر فائز تھے اور آج کل کے مسلمان کس حد تک اُن کے عقائد کو ماننے والے ہیں۔آج جو کچھ ان بزرگ ہستیوں کے نام پر ہو رہا ہے وہ خود اُن کی اپنی تعلیمات کے خلاف ہے' کیونکہ یہ حضرات تو قرآن وسنت کے متبعین میں سے تھے اور قرآن وسنت میں ایسے تمام افعال کی نفی کی گئی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۱۷﴾﴾ (العنکبوت)

''بے شک جن لوگوں کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے' پس اللہ ہی سے رزق طلب کرو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر ادا کرو' اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔''

❁ **اللہ کے علاوہ کسی اور کو نفع یا نقصان کا مالک سمجھنا:** اللہ کے علاوہ کسی اور کو اس نیت سے پکارنا کہ وہ اس کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے' یہ بھی شرک ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ﴾ (یونس:۱۸)

''اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں جو اُن کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان' اور وہ کہتے ہیں (ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ) یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

اس آیۂ مبارکہ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ان اولیاء اللہ کو اس غرض سے پکارنا کہ اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کریں' جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نفع اور نقصان کے اختیارات اللہ نے اپنے پاس رکھے ہیں اور اپنے علاوہ کسی ولی یا نبی' حتیٰ کہ اپنے پیارے پیغمبر محمدﷺ کو بھی نہیں دیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ لَـکُمۡ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ (الجن)

''(اے نبیﷺ! ان سے) کہہ دیں کہ میں تمہارے لیے کسی بھلائی اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔''

یہاں پر ہم یہ بات واضح کرتے جائیں کہ ہمارے ہاں بعض اہل حدیث حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ احناف (بریلوی' دیوبندی) کے ہاں ایسے مشرکانہ عقائد پائے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ احناف کے مسلّمہ عقائد شرک کی آمیزش سے پاک ہیں۔ ☆لیکن بعض جاہل خطباء نے اپنے پیٹ کی خاطر قصے کہانیوں پر مشتمل غلط عقائد ونظریات معاشرے میں پھیلا رکھے ہیں۔

۞ **کسی ہستی کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کو پکارنا:** کسی ہستی کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کو پکارنا بھی از روئے قرآن اس کی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰی ؕ﴾ (الزمر:۳)

''(اور وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس وجہ سے کہ وہ ہمیں کسی درجہ میں اللہ کے قریب کر دیں۔''

اللہ تعالیٰ تو انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کسی پوپ' پادری' پنڈت' پیر یا کسی اور درمیانی واسطے کی ضرورت قطعاً نہیں۔

☆ دیکھئے: مقدمہ شرح عقیدۂ طحاویہ از ابن ابی العز حنفی۔

مانا کہ چھت پر چڑھنے کے لیے کسی سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے' کیونکہ چھت اور ہمارے درمیان فاصلہ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ عرش پر موجود ہونے کے باوجود ہمارے انتہائی قریب ہے' اس کے اور ہمارے درمیان کسی قسم کا حجاب اور پردہ نہیں ہے۔

اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ذبح کرنا: دورِ جاہلیت میں مشرکینِ مکّہ اپنے بتوں اور جنات کو راضی کرنے کے لیے اپنی اولاد تک کو ان کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔ جبکہ اللہ کے سوا کسی اور کی رضا یا خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی جانور کو ذبح کرنا حرام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾﴾(الانعام)

''(آپؐ) کہہ دیں کہ بے شک میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔''

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دَخَلَ الْجَنَّۃَ رَجُلٌ فِیْ ذُبَابٍ وَدَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِیْ ذُبَابٍ)) قَالُوْا وَکَیْفَ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ؟ قَالَ : ((مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰی قَوْمٍ لَھُمْ صَنَمٌ لَا یُجَاوِزُہٗ حَتّٰی یُقَرِّبَ لَہٗ شَیْئًا' فَقَالُوْا لِاَحَدِھِمَا: قَرِّبْ! قَالَ: لَیْسَ عِنْدِیْ شَیْءٌ اُقَرِّبُ' قَالُوْا لَہٗ : قَرِّبْ وَلَوْ ذُبَابًا' فَقَرَّبَ ذُبَابًا' فَخَلُّوْا سَبِیْلَہٗ' فَدَخَلَ النَّارَ' وَقَالُوْا لِلْآخَرِ: قَرِّبْ! فَقَالَ: مَا کُنْتُ لِاُقَرِّبَ لِاَحَدٍ شَیْئًا دُوْنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ' فَضَرَبُوْا عُنُقَہٗ' فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ)) (۳)

''ایک شخص صرف مکھی جیسی حقیر چیز کی وجہ سے جنت میں چلا گیا اور دوسرا شخص اسی مکھی جیسی حقیر چیز کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا''۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیسے ہوا؟ آپؐ نے فرمایا: دو شخص ایک قبیلے کے پاس سے گزرے جن کا ایک بُت تھا اور کوئی شخص اس بُت پر کوئی چڑھاوا چڑھائے بغیر نہیں گزر سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک سے کچھ نذرانہ دینے کے لیے کہا تو اُس نے کہا: میرے پاس نذرانہ دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ انہوں نے کہا نذرانہ تمہیں ضرور دینا پڑے گا چاہے ایک مکھی ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس نے ایک مکھی پکڑ کر بھینٹ چڑھا دی تو انہوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ جہنم میں داخل ہو گیا۔ اسی طرح انہوں نے دوسرے سے

کہا کہ وہ بھی نذرانہ پیش کرے۔ اس نے کہا میں تو اللہ کو چھوڑ کر کسی کے آگے نذرانہ پیش نہیں کروں گا۔ اس پر ان لوگوں نے اسے شہید کر دیا اور وہ جنت میں داخل ہو گیا۔''

❁ **جس جگہ غیر اللہ کے نام کی قربانی دی جاتی ہو وہاں جانور ذبح کرنا:** ایسی جگہ پر جانور ذبح کرنا جہاں شرک وغیرہ ہوتا ہو یا کسی دور میں ہوتا رہا ہو' جائز نہیں ہے۔ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یَّنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَاَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: اِنِّیْ نَذَرْتُ اَنْ اَنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ ((هَلْ کَانَ فِیْهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِیَّةِ یُعْبَدُ؟)) قَالُوْا لَا' قَالَ: ((فَهَلْ کَانَ فِیْهَا عِیْدٌ مِنْ اَعْیَادِهِمْ؟)) قَالُوْا لَا. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَوْفِ بِنَذْرِکَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ وَلَا فِیْمَا لَا یَمْلِکُ ابْنُ آدَمَ))(٤)

''اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ مقام بوانہ پر اونٹ ذبح کرے گا۔ وہ آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ مقام بوانہ پر اونٹ ذبح کروں تو آپؐ نے (دریافت) فرمایا: ''کیا اس جگہ زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا کہ جس کی عبادت کی جاتی رہی ہو؟'' صحابہؓ نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا: ''کیا وہاں ان (مشرکین) کا کوئی میلہ لگتا تھا؟'' صحابہؓ نے عرض کیا نہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنی نذر پوری کر لو' کیونکہ اس نذر کا پورا کرنا جائز نہیں ہے جو کہ اللہ کی نافرمانی میں مانی گئی ہو اور نہ اس نذر کا پورا کرنا لازم ہے جو ابنِ آدم کے اختیار میں نہ ہو۔''

اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ ایسی قربانی جو اللہ کے لیے ہی کی جائے' لیکن ایسی جگہ ہو جہاں شرک وغیرہ ہوتا ہو' نا جائز ہے۔

❁ **اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام کی نذر ماننا:** اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نذر و نیاز ایک عبادت ہے۔ اور عبادت چونکہ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں' اس لیے اللہ کے علاوہ کسی ولی' بزرگ یا پیر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی قسم کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔ حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مذکورہ بالا حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ غیر اللہ کی نذر ماننا یا چڑھاوا چڑھانا شرک ہے' جبکہ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ کے نام پر مانی ہوئی نذر کو بھی ایسی جگہ پر پورا کرنا

جہاں شرک یا غیر اللہ کی پرستش ہو رہی ہو' جائز نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّعْصِىَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهٖ)) (۵)

''جو شخص ایسی نذر مانے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ہو اسے چاہیے کہ اپنی نذر کو پورا کرے' اور جو کوئی ایسی نذر مانے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔'' (یعنی اگر نذر ماننی ہی ہو تو صرف اللہ کے نام کی ماننی چاہیے)۔

۞ **درخت یا پتھر سے برکت حاصل کرنا:** حضرت واقد اللّیثی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا خَرَجَ اِلٰى حُنَيْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ يُعَلِّقُوْنَ عَلَيْهَا اَسْلِحَتَهُمْ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ' فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى: اجْعَلْ لَنَا اِلٰـهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ' وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ)) (۶)

''رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ حنین کے لیے نکلے تو (دورانِ سفر) مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گزرے' جسے ''ذاتِ انواط'' کہا جاتا تھا۔ وہ (حصولِ برکت کی غرض سے) اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ بعض حضرات (جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے) کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے لیے بھی مشرکین کے ذاتِ انواط کی طرح کوئی درخت مقرر کر دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! یہ وہی خواہش ہے جس کا اظہار بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا کہ ''ہمارے لیے بھی ان کے معبودوں کی مانند ایک معبود مقرر کر دیجیے۔'' اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم بھی یقیناً پچھلی اُمتوں کے طور طریقوں پر چلو گے۔''

اس حدیث میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ کسی قبر' مزار' مسجد' پہاڑ کی چوٹی پر نصب شدہ پتھر یا درخت وغیرہ سے برکت حاصل کرنا اور اپنی مراد پانے کے لیے اس کے ساتھ کپڑے' دھاگے یا رسیوں کی ڈوریاں وغیرہ لٹکانا ایسا شرک ہے جو پچھلی اُمتوں سے چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا دورِ جاہلیت کی ایسی تمام رسوم سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۞ **بیماری یا تکلیف وغیرہ دور کرنے کے لیے کڑا' تعویذ یا گنڈا پہننا:** حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَبْصَرَ عَلٰى عَضُدِ رَجُلٍ حَلْقَةً اُرَاهُ قَالَ مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ:

((وَیُحکَ مَا ھٰذِہٖ؟)) قَالَ مِنَ الْوَاھِنَۃِ' قَالَ : ((اَمَا اِنَّھَا لَا تَزِیْدُکَ اِلَّا وَھْنًا انْبِذْھَا عَنْکَ فَاِنَّکَ لَوْ مِتَّ وَھِیَ عَلَیْکَ مَا اَفْلَحْتَ اَبَدًا)) (۷)

''نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کے بازو پر پیتل کا ایک کڑا دیکھا تو آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ میں نے کمزوری سے نجات پانے کے لیے اسے پہنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''یہ تمہاری کمزوری ہی میں اضافے کا باعث بنے گا' اسے اتار دے اور اگر اسے پہنے ہوئے تجھے موت آ گئی تو تُو کبھی نجات نہ پا سکے گا۔''

اسی طرح حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے سنا:

((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِیْمَۃً فَلَا اَتَمَّ اللّٰہُ لَہٗ وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَۃً فَلَا وَدَعَ اللّٰہُ لَہٗ))(۸)

''جس نے کوئی تعویذ لٹکایا اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جس نے کوئی کوڑی یا گھونگا وغیرہ گلے میں لٹکایا اللہ اس کو آرام نہ دے۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَۃَ شِرْکٌ)) (۹)

''یقیناً منتر' تعویذ اور محبت کے عملیات سب شرک ہیں''۔

تمائم ''تمیمہ'' کی جمع ہے جس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بچوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے ان کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔ یہاں پر تعویذ سے مراد ایسا تعویذ ہے جو کہ قرآنی آیات پر مشتمل نہ ہو' مثلاً ایسا تعویذ جس میں شرکیہ کلام ہو' کسی پیر' ولی یا بزرگ سے مدد مانگی گئی ہو یا وہ نہ سمجھ آنے والے اعداد و شمار (گنتی) پر مشتمل ہو۔ قرآنی آیات کے ذریعے دم کرنا مسنون اور ان سے تعویذ بنانا جائز ہے۔ لیکن اس قسم کے تعویذات میں چونکہ قرآن کی بے حرمتی بہت زیادہ ہوتی ہے' بعض اوقات چھوٹے بچے ناپاکی میں' عورتیں حیض و نفاس کی حالت میں اور مرد حضرات باتھ روم' ٹوائلٹ وغیرہ میں جاتے وقت بھی ان تعویذات کو پہنے رکھتے ہیں' لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قرآنی آیات کے دَم کے ذریعے ہی علاج پر اکتفا کیا جائے اور آیاتِ قرآنیہ کو تعویذ بنا کر گلے یا بدن کے ساتھ نہ لٹکایا جائے۔

تِوَلَۃ سے مراد جادو ٹونے کے وہ اعمال ہیں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بیوی خاوند سے

اور خاوند بیوی سے اندھی محبت کرنے لگ جائے' جس سے شریعت کی حدود بھی پامال ہونے لگیں۔

❁ **بزرگوں کی قبروں کا حد سے زیادہ احترام کرنا اور ان پر چراغ جلانا:** اس میں کوئی شک نہیں کہ قبروں کی زیارت کرنا سنت ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((قَدْ کُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ' فَقَدْ اُذِنَ لِمُحَمَّدٍ (ﷺ) فِیْ زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ' فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ))(۱۰)

''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' پھر محمد (ﷺ) کو ان کی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی' پس اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو' بے شک یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں''۔

واضح رہے کہ زیارتِ قبور کا مقصد حدیث میں جو بتایا گیا ہے وہ آخرت کی یاد ہے نہ کہ ان پر چراغاں کرنا یا میلے اور عرس وغیرہ منعقد کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ(۱۱)

''اللہ کے رسول ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر بھی لعنت فرمائی۔''

امام مالکؒ نے اپنی موطأ میں تذکرہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا يُّعْبَدُ' اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ))(۱۲)

''اے اللہ تعالیٰ! میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ جس کی عبادت کی جائے۔ اُس قوم پر اللہ تعالیٰ کا بہت شدید غضب ہے جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

بزرگانِ دین کی قبروں کو چھونا' ان کے ساتھ اپنے جسم کو مَس کرنا' ان کو چومنا یا ان کی مٹی یا پتھروں کو اپنے جسم پر ملنا' تا کہ بیماری' تکلیف اور مصیبت وغیرہ سے نجات ملے' بالکل ایک غیر شرعی اور حرام فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے' جب کہ ان کی قوم کے لوگ ان سے اپنے معبودوں کے بارے میں بحث مباحثہ کر رہے تھے۔

﴿فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾﴾ (الشُّعراء)

''بے شک وہ (تمہارے معبود) میرے دشمن ہیں سوائے ربّ العالمین کے' جس نے مجھے پیدا کیا' پس وہی مجھے ہدایت دے گا' اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے' اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔''

❁ **اللہ کے رسولﷺ کی یا اولیاء اللہ کی تعریف میں مبالغہ کرنا:** اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کے رسولﷺ کی تعظیم وتکریم ہمارے ایمان کا حصہ اور آپؐ کی تعریف وتوصیف باعث اجر وثواب اور رفع درجات ہے' لیکن آپؐ کی نعت گوئی میں حد درجہ مبالغہ آرائی کرتے ہوئے آپؐ کو معاذ اللہ' اللہ عز وجل کے برابر لا کھڑا کرنا یا آپؐ کے رتبے کو اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھا دینا شرک ہے اور آپؐ نے اپنی احادیث مبارکہ میں اس کی سختی سے نفی فرمائی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ ﷺ یَاسَیِّدَنَا وَابْنَ سَیِّدِنَا وَیَاخَیْرَنَا وَابْنَ خَیْرِنَا فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((یَا اَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا بِقَوْلِکُمْ وَلَا یَسْتَهْوِیَنَّکُمُ الشَّیْطَانُ' اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ' وَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنْ تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ مَا رَفَعَنِیَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ)) (۱۳)

''ایک شخص نے اللہ کے رسولﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے وہ جو ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ بہتر اور ہم میں سب سے زیادہ بہتر کے بیٹے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اے لوگو! اس طرح کی باتیں (میری تعریف میں) کہہ لو' لیکن دیکھنا شیطان تم کو بہکا نہ دے۔ میں محمد بن عبداللہ ہوں' اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' اور اللہ کی قسم میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم (میری تعریف کر کے) مجھے میرے اس مقام اور مرتبے سے بلند کرو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

((لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ

اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ)) (١٤)

''میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' پس مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیافی (ماں جائے) بھائی حضرت طفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں:

رَاَیْتُ فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ کَاَنِّیْ اَتَیْتُ عَلٰی نَفَرٍ مِّنَ الْیَهُوْدِ قُلْتُ : اِنَّـکُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّـکُمْ تَقُوْلُوْنَ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ . قَالُوْا وَاِنَّـکُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّـکُمْ تَقُوْلُوْنَ مَا شَآءَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ مُحَمَّدٌ. ثُمَّ مَرَرْتُ بِنَفَرٍ مِّنَ النَّصَارٰی فَقُلْتُ اِنَّـکُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّـکُمْ تَقُوْلُوْنَ الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ. قَالُوْا وَاِنَّـکُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّـکُمْ تَقُوْلُوْنَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ مُحَمَّدٌ. فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَخْبَرْتُ بِهَا مَنْ اَخْبَرْتُ' ثُمَّ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَخْبَرْتُهُ قَالَ: ((هَلْ اَخْبَرْتَ بِهَا اَحَدًا؟)) قُلْتُ نَعَمْ' قَالَ: فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ: ((اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ طُفَیْلًا رَآی رُؤْیًا اَخْبَرَهَا مَنْ اَخْبَرَ مِنْکُمْ وَاِنَّـکُمْ قُلْتُمْ کَلِمَةً کَانَ یَمْنَعُنِیْ کَذَا وَکَذَا اَنْ اَنْهَاکُمْ عَنْهَا فَلَا تَقُوْلُوْا : مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَلٰـکِنْ قُوْلُوْا : مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ)) (١٥)

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس آیا اور میں نے کہا: ''تم لوگ بہت اچھے ہوتے اگر تم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہتے'' تو انہوں (یہودیوں) نے کہا تم (مسلمان) بھی اچھے ہوتے اگر تم مَا شَآءَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ مُحَمَّدٌ (جو اللہ نے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا) نہ کہا کرتے۔ پھر میرا نصاریٰ کی ایک جماعت پر سے گزر ہوا تو میں نے کہا: ''تم لوگ بہت اچھے ہوتے اگر تم حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا نہ کہتے۔'' انہوں (عیسائیوں) نے کہا اور تم (مسلمان) لوگ بھی بہت اچھے ہوتے اگر تم مَا شَآءَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ مُحَمَّدٌ نہ کہتے۔ جب میں نے صبح کی تو میں نے کچھ لوگوں کو یہ خواب سنایا' پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ ﷺ کو

اس خواب کے بارے میں بتلایا۔ آپؐ نے پوچھا: ''کیا تم نے اس خواب کے بارے میں کسی کو خبر دی ہے؟'' تو میں نے اثبات میں جواب دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے (خطبہ دینے کی غرض سے) اللہ کی حمد و ثناء بیان کی' پھر اس کے بعد کہا: ''طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے جو انہوں نے تم میں کچھ لوگوں کو بیان بھی کیا ہے۔ بے شک تم ایک ایسی بات کہتے تھے (جو مجھے ناپسند تھی) لیکن فلاں فلاں وجوہات کی بنیاد پر میں تمہیں اس بات سے منع کرنے سے رُکا رہا۔ پس اب تم مت کہو'' **مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ** '' (جو اللہ اور محمد ﷺ چاہیں) بلکہ تم کہو'' **مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ** '' (جو اکیلا اللہ چاہے)۔''

ان احادیث سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ نعت گوئی میں انتہائی احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھنا چاہیے اور نعت خواں حضرات کے لیے لازمی قرار دیا جائے کہ وہ نعت کہنے سے پہلے کسی اچھے عالم سے اس کی تصدیق کروا لیا کریں' مبادا کہ آپؐ کی تعریف و توصیف کے بجائے آپؐ کے احکامات کی نافرمانی ہو جائے۔

۲۔ شرکِ اصغر

اس سے مراد ریاکاری ہے۔ جب کوئی شخص اپنی شہرت یا ناموری کے لیے کوئی نیک عمل کرتا ہے' تاکہ معاشرے میں اس کا چرچا ہو اور لوگ اس کے اس فعل کی تعریف کریں تو یہ شخص بھی شرک کا مرتکب ہے' لیکن اس کا شرک' شرکِ اصغر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا ھُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ؟)) قَالَ ' قُلْنَا: بَلٰی. فَقَالَ: ((الشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَقُوْمَ الرَّجُلُ یُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلَاتَهٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ)) (۱۶)

''میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟'' صحابہؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا: ''وہ شرکِ خفی ہے۔ یعنی جب کوئی شخص نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو صرف اس لیے اس نماز کو اچھی طرح سے ادا کرتا ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھ رہا ہے۔''

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ فَمَنْ عَمِلَ لِیْ عَمَلًا اَشْرَکَ فِیْهِ

غَيۡرِیۡ فَاَنَا مِنۡهُ بَرِیۡءٌ وَهُوَ لِلَّذِیۡ اَشۡرَکَ)) (١٧)

''میں ان تمام شریکوں (جن کو میرا شریک فرض کر لیا جاتا ہے) میں سے شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز اور بیزار ہوں' جو کوئی میرے لیے عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا لیتا ہے تو میں اس سے بری ہوں اور وہ عمل اس نے اس کے لیے کیا جس کو اس نے میرا شریک ٹھہرایا۔''

اگر کوئی شخص نیک نیتی سے کوئی عمل شروع کرتا ہے' بعد میں شیطان آ کر اس عمل میں وسوسے ڈالتا ہے اور وہ اس کے وساوس کو ناپسند کرتے ہوئے ان کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا شخص اس حکم سے مستثنیٰ ہے' لیکن اگر وہ اس کے وساوس کو دور کرنے کے بجائے ان سے راحت حاصل کرتا ہے اور اس کا نفس ان سے سکون حاصل کرتا ہے تو جمہور علماء کے نزدیک ایسا عمل بھی اللہ کے ہاں باطل ہو جاتا ہے۔

شرک کے حوالے سے آخری بات ہم اپنے قارئین سے یہی کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے خطاب کرتے ہوئے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمائی ہے:

﴿اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ ؕ﴾ (الزمر:٣٦)

''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟'' (جاری ہے)

حواشی

١) رواه البرقانی فی صحیحه بحواله کتاب التوحید' محمد بن عبدالوهاب التمیمی' باب ما جاء ان بعض هذه الامة یعبد الاوثان۔

٢) تفسیر ابن کثیر' ج ١' ص ٥٧۔

٣) رواه احمد۔ بحواله کتاب التوحید' محمد بن عبدالوهاب التمیمی' باب "ماجاء فی الذبح لغیر الله"۔

٤) رواه ابوداوٗد۔ صحیح ابوداود' کتاب الایمان والنذور' باب ما یؤمر به من الوفاء بالنذر۔

٥) صحیح ابوداوٗد' کتاب الایمان والنذور' باب ماجاء فی النذر فی المعصیة۔

٦) رواه الترمذی' کتاب الفتن' باب ما جاء لترکبن سنن من کان قبلکم۔

٧) رواه احمد' مسند احمد' ج٥' ص ٦١٦۔

٨) رواه احمد' مسند احمد' ج٥' ص ١٥٤ ' مطبعه دار احیاء والتراث العربی' بیروت۔

٩) رواه احمد' مسند احمد' ج ١' ص ٦٢٩۔

١٠) رواه الترمذی' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی الرخصة فی زیارة القبور۔ **الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث صحیح مسلم' کتاب الجنائز میں بھی موجود ہے۔**

١١) رواه الترمذی' کتاب الصلاة' باب ما جاء فی کراهیة ان یتخذ علی القبر مسجداً۔ **اسے**

1

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (28)

پاکستان (7)

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

1923ء کے انتخابات کے بعد مرکزی اسمبلی میں نیشنل کانگریس کے رکن رنگا چاریہ نے یہ قرارداد پیش کی کہ ہندوستان کا آئینی نظام فوراً تبدیل کر دیا جائے۔ پنڈت موتی لال نہرو نے ترمیم پیش کی کہ گول میز کانفرنس بلائی جائے جو ہندوستان کے لیے مکمل ذمہ دار حکومت کی سفارش کرے۔ قائداعظم نے اس کی تائید کی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں آئینی سرگرمیاں اور مختلف جماعتوں کے رہنماؤں میں گفتگو شروع ہوگئی۔ مئی 1924ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تو قائد اعظم نے اپنی تقریر میں کہا کہ جس دن ہندو اور مسلمان متحد ہو جائیں گے، ملک کو نوآبادی کے درجے کی حکومت مل جائے گی۔ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں، لیکن ہندو رہنما جداگانہ انتخاب سے مسلمانوں کی دست برداری پر اتحاد کو مشروط و موقوف سمجھتے تھے۔

جداگانہ انتخاب ترک کرنے کی شرائط

قائداعظم نے اُن کے اس بہانے کو بھی رفع کرنے کے لیے 1927ء میں مسلمانوں کے زعماء کی ایک کانفرنس دہلی میں بلوائی اور طویل بحث کے بعد مندرجہ ذیل شرائط وضع کیں، جن کی بنا پر مسلمانانِ ہند جداگانہ انتخاب پر آمادہ ہو سکتے تھے:

(1) سندھ کو صوبہ بمبئی سے جدا کر کے علیحدہ صوبہ بنایا جائے، تا کہ سندھ کی حکومت اپنے 90 فیصد مسلمان باشندوں کے مفاد کی طرف توجہ کر سکے۔

(2) صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اُسی سطح اور معیار کی اصلاحات نافذ کی جائیں جو دوسرے صوبوں میں ہیں، تا کہ ان علاقوں کے باشندوں سے جو ناانصافی ہوئی ہے، اس کی تلافی کی جا سکے۔

(3) پنجاب اور بنگال میں نمائندگی کا تناسب آبادی کے تناسب کے مطابق ہو، تا کہ بنگال میں چالیس فیصد اور پنجاب میں پچاس فیصد نشستوں کی بجائے اِن صوبوں کی اسمبلیوں میں مسلمانوں کو

علی الترتیب چون اور چھپن فیصد نشستیں دی جائیں‘ تاکہ انہیں وہاں واضح اکثریت حاصل ہو جائے۔

(4) سندھ‘ بلوچستان اور صوبہ سرحد میں ہندو اقلیتوں کو وہی مراعات دی جائیں جو ہندو اپنی اکثریت کے صوبوں میں مسلمان اقلیتوں کو دینے پر رضا مند ہوں۔

(5) مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

(6) طرزِ حکومت وفاقی ہو۔

یہ تجاویز انتہائی مصالحانہ تھیں‘ لیکن ہندو جماعتیں مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کے بارے میں کچھ کہنے سننے کو تیار نہ تھیں‘ لہٰذا کانگریس کمیٹی کی طرف سے منظوری کے باوجود ہندوؤں نے مہاسبھائی لیڈر پنڈت مدن موہن مالویہ کے زیرِ قیادت اُن کی سخت مخالفت کی اور مسلمانوں کے خلاف بلوے شروع کرا دیے۔

سائمن کمیشن

نومبر 1927ء میں حکومت برطانیہ نے سر جان سائمن کی سرکردگی میں ایک کمیشن مقرر کیا‘ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ہندوستان جا کر اس امر کا جائزہ لے کہ 1919ء کی اصلاحات کا کیا اثر ہوا ہے اور اس امر کی سفارش کرے کہ ہندوستان میں کس حد تک ذمے دار حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔ اس کمیشن کے تقرر پر پورے ملک میں غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور اکثر جماعتوں نے اس کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا محمد علی جوہر اور قائداعظم بائیکاٹ کے حق میں تھے‘ لیکن ہندوؤں کے رویے کی وجہ سے مسلمانوں میں اس قدر تلخی پیدا ہو گئی تھی کہ ان کا ایک گروہ سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو گیا۔ اس سے مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ ”شفیع لیگ“ تعاون کے حق میں تھی اور ”جناح لیگ“ بائیکاٹ کے حق میں۔ ملک گیر بائیکاٹ کے باعث سائمن کمیشن اپنے مقصد میں ناکام رہا تو وزیرِ ہند لارڈ برکن ہیڈ نے جھلّا کر ہندوستانیوں کو چیلنج کیا کہ وہ حکومت پر نکتہ چینی کرنے کی بجائے اپنی طرف سے دستور کی کوئی متفقہ سکیم پیش کریں۔

نہرو رپورٹ

انگریزوں کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے فروری 1928ء میں پہلی آل پارٹیز کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی‘ جس میں ہندوؤں‘ مسلمانوں اور دوسری اقوام کے نمائندے شریک ہوئے۔ طے پایا کہ آئندہ دستور کا بنیادی تصور یہ ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں کامل ذمے دار حکومت قائم ہو اور اس مسئلے کو حل کیا جائے کہ فرقہ وارانہ تناسب اور تعلقات کیا ہوں۔ دو مہینے کے اندر کانفرنس کے پچیس اجلاس ہوئے‘ لیکن ہندو لیڈروں کی کٹ حجتی کے باعث کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر گاندھی جی کی تجویز

اور مولانا شوکت علی کی تائید سے ہندوستان کا دستوری خاکہ تیار کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں تشکیل دی گئی۔

نہرو کمیٹی کی رپورٹ، جس میں اُس کے مسلمان رکن محمد شعیب قریشی کا اختلافی نوٹ موجود تھا، اگست 1928ء میں آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس لکھنؤ میں پیش کی گئی۔ مسلمان نمائندوں نے اس کی سخت مخالفت کی، کیونکہ اس میں اُن کے تمام مطالبات کو نظر انداز کر دیا گیا تھا، اور کامل آزادی کی بجائے ہندوستان کا مطمحِ نظر نو آبادیاتی درجے کی حکومت قرار دینے کے علاوہ نشستوں کا تعین کیے بغیر مخلوط انتخاب اور وحدانی طرزِ حکومت کی سفارش کی گئی تھی۔ مولانا شوکت علی اور دوسرے مسلمان رہنماؤں کی مخالفت کے باوجود کانفرنس میں شریک ہندو رہنماؤں نے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر یہ رپورٹ منظور کر لی۔ اس سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں بُعد اور بھی بڑھ گیا اور اکثر مسلمان رہنما کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔

اُسی سال (1928ء) نیشنل کانگریس کے اجلاس کے ساتھ کلکتے میں آل پارٹیز کانفرنس کنونشن منعقد ہوا، تاکہ ہندوستان کی تمام پارٹیوں کی طرف سے نہرو رپورٹ پر مہرِ تصدیق ثبت کی جائے۔ مولانا محمد علی جوہر اور قائداعظم نے اس کی سخت مخالفت کی۔ مولانا محمد علی تو ڈومنین سٹیٹس کے سوال پر کنونشن چھوڑ کر چلے گئے۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کی طرف سے اس میں ترمیمات پیش کیں، جن میں اہم ترین یہ تھیں کہ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو ایک تہائی نمائندگی دی جائے، پنجاب اور بنگال میں انہیں دس سال کے لیے آبادی کے تناسب سے نمائندگی حاصل رہے اور بعد ازاں اگر ضرورت محسوس ہو تو اس پر نظرِ ثانی کر لی جائے اور مرکز کے بجائے صوبوں کو اختیارات دیے جائیں، تاکہ مسلمان اپنی اکثریت کے صوبوں میں حکومتی خود مختاری سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ تمام ترمیمات مسترد کر دی گئیں اور رپورٹ منظور ہو گئی۔ کانگریس نے اعلان کیا کہ اگر دسمبر 1929ء تک اسے آئندہ دستور کی بنیاد قرار نہ دیا گیا تو کامل آزادی کے لیے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی جائے گی۔

مسلم آل پارٹیز کانفرنس

نیشنل کانگریس اور ہندوؤں سے مایوس ہو جانے کے بعد یکم جنوری 1929ء کو مولانا محمد علی جوہر نے تمام مسلم جماعتوں کی ایک کانفرنس دہلی میں طلب کی، تاکہ مسلمانوں کے حقوق کے تعین اور تحفظ کے بارے میں تمام جماعتوں میں اتفاقِ رائے پیدا ہو جائے۔ کانفرنس نے نہرو رپورٹ کی پوری قوت سے مذمت کی اور تجاویز دہلی کی بنیاد پر، لیکن مخلوط انتخاب کے ذکر کو محو کر کے، ایک طویل قرارداد مرتب کی، جس میں مسلمانوں کے شہری اور سیاسی حقوق کا احاطہ کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان کے دستورِ اساسی میں ان کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔

چودہ نکات

مارچ 1929ء میں قائداعظم کی صدارت میں مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔اس میں مسلم لیگ کے رہنماؤں کا اختلاف دور ہو گیا اور سر محمد شفیع کے دھڑے نے اس میں شرکت کی۔اس اجلاس میں قائداعظم نے مستقبل کے ہندوستان میں مسلم تشخص کے تحفظ کے لیے وہ تجویز پیش کی جو ''چودہ نکات'' کے نام سے مشہور ہوئی اور جسے آزادی کے حصول تک مسلمانوں کے قومی مطالبات کی حیثیت حاصل رہی۔اس میں ملک کے لیے وفاقی دستور' صوبوں کی کامل خود مختاری' صوبائی اسمبلیوں میں اقلیتوں کی کافی اور موثر نمائندگی اور مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کی جائز نمائندگی کے تحفظ' مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی ایک تہائی نمائندگی' ہر صوبے کی کابینہ میں مسلمانوں کی ایک تہائی نمائندگی' سرحد اور بلوچستان میں دوسرے صوبوں کے مساوی اصلاحات کے نفاذ' سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی' سرکاری ملازمتوں اور ذمے دار عہدوں پر تقرر کے وقت مسلمانوں کے مناسب حصے کا لحاظ' تمام قوموں کے لیے ضمیر و مذہب کی آزادی اور اسلامی تہذیب و تمدن اور تعلیم و زبان وغیرہ کی حفاظت و ترقی کا مطالبہ کیا گیا۔

پہلی گول میز کانفرنس

کانگریس نے مسلمانوں کے مطالبات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور اپنے سابقہ اعلان پر قائم رہی۔ 26 جنوری 1930ء کو کانگریس نے یومِ آزادی منایا اور مارچ میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔اس سلسلے میں گاندھی جی نے 6/اپریل کو ڈانڈی کے مقام پر نمک بنا کر قانون کی خلاف ورزی کی' اور مئی میں انہیں اور دوسرے بڑے بڑے کانگرسی لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔اس دوران میں سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ برطانوی حکومت کے سامنے پیش کر دی۔اس پر غور کرنے کے بعد لندن میں ہندوستان کی تمام جماعتوں اور ریاستوں کے نمائندے مدعو کیے گئے۔کانگریس نے اس میں شرکت سے انکار کر دیا' لیکن باقی جماعتوں نے دعوت قبول کر لی۔اس میں صرف اتنا طے ہو سکا کہ ہندوستان کی آئندہ حکومت وفاقی ہوگی' لیکن مسلمانوں کے حقوق کا مسئلہ جوں کا توں رہ گیا۔

دوسری گول میز کانفرنس

کانگرسی لیڈروں کی گرفتاری کے بعد بھی سول نافرمانی جاری رہی۔اس دوران میں بنگال اور پنجاب میں دہشت گردی کی سرگرمیاں زور پکڑ گئیں۔حکومت نے اس تحریک کو دبانے میں سختی سے کام لیا۔بالآخر مارچ 1941ء میں وائسرائے لارڈ ارون اور گاندھی جی کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا۔

سول نافرمانی کی تحریک واپس لے لی گئی۔ تمام ستیہ گری رہا کر دیے گئے اور کانگریس موسم سرما میں ہونے والی دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہونے پر رضا مند ہو گئی۔

دوسری گول میز کانفرنس میں ہندوؤں کی ہٹ دھرمی کے باعث فرقہ وارانہ مسئلہ پھر لاینحل ہی رہا اور عاجز آ کر مسلمان' پست اقوام ہندوستانی' عیسائی' اینگلو انڈین اور برطانوی مفاد کے نمائندوں نے مشترکہ طور پر اپنے مطالبات پیش کیے' جس پر ہندو رہنماؤں نے وزیراعظم انگلستان کو فرقہ وارانہ مسئلہ حل کرنے کا اختیار دے دیا۔

کمیونل ایوارڈ اور یونٹی کانفرنس

ہندوستانی نمائندے لندن سے واپس پہنچے تو ملک میں ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ خصوصاً بنگال اور پنجاب میں بھگت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو پھانسی دیے جانے کے بعد سے حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ نئے وائسرائے لارڈ ولنگڈن نے قانون شکن سرگرمیوں کے سدِّ باب کے لیے متعدد آرڈی نینسوں کے ذریعے شہری آزادی پر پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ کانگرسی لیڈر ٹیکس کی عدم ادائیگی کی تحریک شروع کر چکے تھے اور ان میں سے اکثر گرفتار کر لیے گئے تھے' مثلاً یوپی میں پنڈت جواہر لال نہرو اور صوبہ سرحد میں عبدالغفار خان۔ گاندھی جی نے آرڈی نینسوں کی تنسیخ کا مطالبہ کیا' جسے وائسرائے نے مسترد کر دیا۔ چنانچہ کانگریس نے دوبارہ سول نافرمانی کا اعلان کر دیا اور 4/جنوری 1932ء کو گاندھی جی اور ولبھ بھائی پٹیل وغیرہ جیل میں نظر بند کر دیے گئے۔

16/اپریل 1932ء کو وزیراعظم نے کمیونل ایوارڈ کا اعلان کیا' جس میں صوبائی اسمبلیوں کی حد تک نہ صرف مسلمانوں' بلکہ یورپین' سکھ' اینگلو انڈین' ہندوستانی عیسائی اور پست اقوام کو بھی اپنے اپنے نمائندے جداگانہ انتخاب کے ذریعے چننے کا حق دے دیا گیا اور ہر قوم اور ہر طبقے کے لیے نشستیں متعین کر دی گئیں۔

پست اقوام (شیڈول کاسٹ) کی جداگانہ نمائندگی ہندوؤں کے لیے کسی طرح بھی قابلِ قبول نہ تھی' کیونکہ اس سے ان کی فیصلہ کن حیثیت پر کاری ضرب لگتی تھی۔ چنانچہ گاندھی جی نے اس کے خلاف 2/ستمبر کو مرن برت رکھ لیا۔ اس سے اتنی ہلچل مچی اور ہندو رہنماؤں نے پست اقوام کے نمائندے ڈاکٹر امبید کر پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئے' اور حکومت نے پست اقوام کی حد تک اپنے ایوارڈ میں ترمیم کر لی۔

کمیونل ایوارڈ میں مسلمانوں کے مطالبے کو پورا نہیں کیا گیا تھا اور اس کی رو سے اگرچہ صوبہ سرحد کو اصلاحات مل گئیں' لیکن انہیں بنگال میں صرف 47.5 فی صد اور پنجاب میں 49 فی صد نمائندگی دی گئی۔ اس کے باوجود ہندوؤں کی ہر جماعت اس کی مخالفت میں پیش پیش تھی۔ مسلمان اُن

کے ساتھ معقول اور منصفانہ شرائط پر سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ 1932ء کے اواخر میں اختلافی مسائل کو حل کرنے کے لیے الہ آباد میں ایک ''یونٹی کانفرنس'' بلائی گئی۔ ہندو بڑی مشکل سے مسلمانوں کو مرکزی اسمبلی میں 32 فیصد نشستیں دینے پر آمادہ ہوئے' لیکن اس شرط کے ساتھ کہ زائد نشستیں ہندوؤں کے ساتھ عیسائی اور یورپین نشستوں کو بھی کم کر کے پوری کی جائیں۔ اس پر بات چیت ٹوٹ گئی اور حکومت نے مرکز میں مسلمانوں کے لیے 33 1/3 فی صد نشستوں اور صوبہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔

تیسری گول میز کانفرنس

دسمبر 1932ء میں تیسری گول میز کانفرنس منعقد ہوئی' لیکن اس میں نہ صرف کانگریس بلکہ بیشتر مسلمان رہنماؤں نے بھی شرکت نہیں کی۔ بہرحال کانفرنس نے اپنا کام جاری رکھا۔ مارچ 1933ء میں تینوں کانفرنسوں کی رودادوں پر مشتمل قرطاسِ ابیض (وہائٹ پیپر) شائع کیا گیا اور برطانیہ کے دونوں ایوانوں کی طرف سے منتخبہ کمیٹی نے اس کی تجاویز کے مطابق آئندہ دستور کے بارے میں غور کرنا شروع کیا۔ کمیٹی کی رپورٹ دسمبر 1934ء میں پارلیمنٹ کے سامنے ایک بل کی صورت میں پیش ہوئی اور 4/اگست 1935ء کو وہ دستور منظور ہو گیا جو ''گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء'' کے نام سے مشہور ہے۔

اس ایکٹ کی رو سے ہندوستان کے لیے وفاقی طرزِ حکومت منظور کیا گیا اور مرکزی حکومت کے اقتدار کو کم کر کے صوبوں کو زیادہ اختیارات دیے گئے' البتہ گورنروں کو یہ حق دیا گیا کہ اگر کسی صوبے میں اقلیتوں کی حق تلفی کی جائے تو گورنر صوبائی کابینہ کے احکام منسوخ کر سکتا ہے۔ کانگریس اس شرط کے خلاف تھی' کیونکہ اس طرح اسے اپنے اکثریتی صوبوں میں من مانی کارروائی کرنے کی مکمل آزادی نہیں رہتی تھی۔ مسلمانوں کو اس ایکٹ کے بارے میں یہ شکایت تھی کہ ان کے حقوق و مفادات کی حفاظت کے لیے واجب التعمیل دفعات نہیں رکھی گئی تھیں' بلکہ اس مسئلے کو گورنروں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ بحیثیت مجموعی اس قانون کو کسی نے پسند نہیں کیا۔ اس کا دوسرا حصہ پورے ملک میں وفاق پیدا کرنے کے بارے میں تھا' لیکن اس کا نفاذ کبھی نہ ہو سکا' کیونکہ ریاستوں نے وفاق میں شامل ہونا منظور نہ کیا۔ لہٰذا مرکز اسی طرح رہا جس طرح کہ پہلے تھا۔ بہرحال کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس ایکٹ کے تحت انتخابات میں حصہ لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

مسلمانوں کی تنظیمِ نو

مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ بمبئی (1936ء) میں یہ رائے ظاہر کی کہ نیا دستور اگرچہ

برطانوی ہند اور ریاستوں دونوں کے لیے مضر ہے اور اس کا مقصد محض یہ ہے کہ ملک کو کبھی ذمہ دار حکومت نہ ملے' تاہم حالات کا تقاضا یہ ہے کہ صوبائی خود مختار حکومتوں کے قیام کے لیے انتخابات میں حصہ لیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں قائد اعظم کی زیر قیادت ایک مرکزی پارلیمانی بورڈ قائم کر دیا گیا۔

انتخابی مہم میں مسلمانوں کی رہنمائی کرنا بڑا مشکل کام تھا' خصوصاً اس لیے کہ ان میں نہ کوئی سیاسی تنظیم تھی اور نہ وہ کسی مرکز پر متحد تھے۔ اس انتشار اور لامرکزیت کا باعث دراصل وہ چھوٹی چھوٹی مسلم جماعتیں تھیں جو وقتی حالات کے تحت وجود میں آئیں اور اپنی انفرادی حیثیت سے دستبردار ہونے پر تیار نہ تھیں۔ ان میں وہ جماعتیں مسلمانوں کی تنظیم میں خاص طور پر رکاوٹ کا باعث بن رہی تھیں جو کانگریس سے منسلک تھیں۔ اس سلسلے میں وہ مسلمان رہنما بالخصوص قابل ذکر ہیں جو کانگریس کے مہاسبھائی طرزِ عمل کا متعدد بار تجربہ کرنے کے باوجود اس جماعت کے وفادار چلے آ رہے تھے اور اپنے آپ کو ''نیشنلسٹ مسلمان'' کہتے تھے۔ اُن کا موقف یہ تھا کہ پہلے انگریز سے آزادی حاصل کر لیں' پھر مسلمانوں کے حقوق کے لیے ہندوؤں سے تصفیہ ہو جائے گا۔ ان کی جماعت کی باقاعدہ تشکیل جنوری 1924ء میں ہوئی تھی۔ اس جماعت نے نہرو رپورٹ کی حمایت کی اور 1931ء کے بعد ختم ہو گئی۔ تاہم اس کے لیڈر مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد' ڈاکٹر انصاری' تصدق احمد شروانی وغیرہ بدستور کانگریس کے ہم نوا رہے۔

اُسی زمانے میں چند اور اسلامی جماعتیں بھی وجود میں آئیں۔ پنجاب خلافت کمیٹی کے ارکان پر مشتمل ایک جماعت ''مجلس احرارِ اسلام'' کے نام سے قائم ہوئی اور اُس نے سول نافرمانی کے زمانے میں انگریزوں کے خلاف کانگریس کا ساتھ دیا۔ 1930ء میں سول نافرمانی ختم ہوئی تو اس جماعت نے اپنی توجہ کشمیر کی طرف پھیر دی۔ اُن دنوں ریاست کے خلاف وہاں کے باشندوں کی احتجاجی تحریک شروع تھی اور وہ حکومت میں حصہ لینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ احرار نے پنجاب میں اس تحریک کی قیادت سنبھال لی اور کشمیر میں جتھے بھیج بھیج کر ہزاروں کی تعداد میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ بالآخر ریاستی حکومت تحریک کے رہنماؤں سے بات چیت پر مجبور ہو گئی اور اس کامیابی نے احرار کو پنجاب میں بہت مقبول بنا دیا۔ اس کے بعد احرار نے تحریک ختم نبوت کا آغاز کیا اور جو جتھے کشمیر سے رہائی پا کر آئے' انہیں قادیان بھیجنا شروع کر دیا۔ گورنر پنجاب نے احرار کا داخلہ قادیان میں بند کر دیا تو یہ تحریک قدرے دب گئی۔ تاہم اس سے عام مسلمانوں میں اس کی مقبولیت بڑھ گئی۔ اب احرار نے پنجاب میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی' لیکن سر فضل حسین نے ان کی ہر کوشش ناکام بنا دی۔ ان کے بعد سر سکندر حیات خان نے ہندوؤں اور سکھوں کی

مدد سے یونینسٹ پارٹی کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کر لی تو احرار نے پھر جد وجہد کا آغاز کر دیا اور سکھوں کو اپنے ساتھ شریک کر کے نئے انتخابات میں حصہ لینے کا عزم کیا۔ ''احرار سکھ اتحاد'' کا قرینہ پیدا ہو رہا تھا کہ مسجد شہید گنج کا واقعہ پیش آ گیا۔ لاہور کی اس مسجد پر سکھوں کا قبضہ چلا آ رہا تھا۔ 1935ء میں انہوں نے اسے اپنے گوردوارے میں شامل کرنے کے لیے حکومت سے اس کے انہدام کی اجازت چاہی' جو انہیں دے دی گئی۔ اس پر مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور وہ مسجد پر قبضہ کرنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں شہر سے باہر جمع ہونے لگے۔ سکھوں نے یہ صورت حال دیکھی تو حکومت کی مدد سے مسجد کو فوراً ڈھا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے بڑے وسیع پیمانے پر احتجاجی تحریک شروع کر دی اور جتھے بنا بنا کر مسجد شہید گنج کی طرف جانے لگے۔ بہت سے مسلمان فوج کی گولیوں کا نشانہ بنے اور ہزاروں قید کر لیے گئے۔ آخر قائداعظم نے لاہور آ کر ایک طرف تو احتجاجی تحریک بند کرا دی اور دوسری طرف حکومت اور سکھوں سے مسجد کی واپسی کے متعلق گفتگو شروع کی۔ طے پایا کہ مسلمان آئینی طریقہ اختیار کریں اور مسجد کی بازیافت کے لیے عدالت سے رجوع کریں۔ اس دوران میں احرار بالکل الگ تھلگ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجلس احرار اپنی مقبولیت کھو بیٹھی اور بحیثیت جماعت اس کا رسوخ باقی نہ رہا۔ تاہم اس کے بعض رہنما حصولِ آزادی کی بڑے جوش سے حمایت کرتے رہے۔

تیسری اہم جماعت ''خدائی خدمت گاروں'' کی تھی جو صوبہ سرحد میں خان عبدالغفار خان نے 1929ء میں قائم کی۔ یہ جماعت ہمیشہ پوری طرح کانگریس کی ہم نوا رہی۔ 1929ء ہی میں ''جمعیۃ العلمائے ہند'' قائم ہوئی اور نہرو رپورٹ کی منظوری کے بعد دوسری مسلم جماعتوں کے ساتھ کانگریس سے ناراض ہو گئی' مگر جب کانگریس نے کامل آزادی کی قرارداد پیش کی تو حکومت برطانیہ کے خلاف تحریک کی حمایت کی۔

مسلم لیگ نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز کیا تو اِن مسلم نیشنلسٹ (قوم پرست) جماعتوں کے علاوہ ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ اکثریتی صوبوں میں بھی مسلمانوں کی عنانِ قیادت ایسے لیڈروں کے ہاتھ میں تھی جو پارلیمانی بورڈ کے فیصلوں کے پابند ہونے پر رضا مند نہ تھے' مثلاً پنجاب میں یونینسٹ پارٹی تھی اور بنگال میں مولوی فضل الحق کی کرشک پوجا پارٹی۔ ان کی نظر صرف صوبائی امور و معاملات تک محدود تھی اور وہ نئے آئین کے تحت صوبائی اختیارات استعمال کرنے کے لیے بے قرار تھے۔ ان سب جماعتوں کی موجودگی میں مسلمانوں کی مرکزیت کا قائم ہونا بہت مشکل تھا۔ تاہم قائداعظم نے پورے ملک کا دورہ کر کے جگہ جگہ مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں' مسلمانوں میں سرگرمی پیدا کی اور انہیں محض جوش و خروش کو چھوڑ کر قومی تعمیر کے لیے ٹھوس کام کرنے پر آمادہ کیا۔

1937ء کے انتخابات

کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ تاہم دونوں جماعتیں نئے دستور کو غیر اطمینان بخش اور نا قابلِ قبول ٹھہراتی رہیں۔ مسلم لیگ نے اپنا نصب العین یہ متعین کیا کہ موجودہ صوبائی خود اختیاری اور وفاقی نظام کو بدل کر جمہوری حکومت خود اختیاری (Democratic self government) قائم کی جائے اور جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو' مسلم لیگ مختلف قانون ساز اسمبلیوں کے ذریعے وہ مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اہل ملک کی قومی زندگی اور ان کی فلاح وترقی کے لیے ضروری ہیں۔ دوسری طرف کانگریس نے یہ طے کیا کہ نئے دستور کے تحت انتخابات میں ضرور حصہ لیا جائے' لیکن اسمبلیوں اور کونسلوں میں پہنچ کر اس کے نفاذ کو بے اثر بنا دیا جائے۔ انتخابات سے قبل کانگریس اور مسلم لیگ نے اپنے اپنے منشور شائع کیے۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے مذہبی حقوق اور اردو زبان ورسم الخط کی نگہداشت پر خاص زور دیا۔ اس منشور میں کانگریس کے ساتھ تعاون کی خاصی گنجائش موجود تھی' اور قائداعظم نے اپنی انتخابی تقریروں میں بھی مصالحتی لب ولہجہ برقرار رکھا۔ البتہ تلخ تجربے کی بنا پر انہوں نے کانگریس پر یہ واضح کر دیا کہ تعاون اسی صورت میں ممکن ہوگا جبکہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا جائے۔

انتخابات ہوئے تو ہندو اکثریت کے تمام صوبوں میں کانگریس کو اس قدر کامیابی حاصل ہوئی کہ وہ ان میں کسی دوسری جماعت کی مدد کے بغیر وزارتیں بنا سکتی تھی' تاہم اس سے قبل کانگریسی رہنماؤں نے حکومت سے اس امر کی یقین دہانی چاہی کہ دستور میں اقلیتوں کے تحفظ کے لیے گورنروں کو جو اختیارات حاصل ہیں' وہ استعمال نہیں کیے جائیں گے۔ شروع میں یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا اور ان صوبوں میں عارضی طور پر غیر کانگریسی حکومتیں قائم کر دی گئیں' لیکن جلد ہی اس اندیشے کے پیشِ نظر کہ کانگریس کے عدم تعاون سے ملک میں دوبارہ سول نافرمانی نہ شروع ہو جائے' وائسرائے نے گاندھی جی کو یہ یقین دلایا کہ یہ اختیارات استعمال نہیں کیے جائیں گے' چنانچہ بنگال اور پنجاب کے سوا تمام صوبوں میں کانگریسی وزارتیں قائم ہوگئیں۔ (جاری ہے)